شمارہ-92، ربیع الأول-ربیع الثانی 1448ھ، ستمبر-اکتوبر 2026ء

نصرۃ

سنتِ نبوی ﷺ وحی ہے اور قرآن کی وضاحت کرتی ہے

اسلامی عقیدے کی انسانی فطرت کے ساتھ موافقت

کیا امریکی قومی قرضہ امریکی ڈالر کی عالمی بالادستی کے خاتمے کا سبب بن رہا ہے؟

عالمی مالیاتی تباہی کے بنیادی اسباب

سعودی، ترکی اور پاکستانی سہ فریقی اتحاد ختم کرو

نصرہ میگزین

ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کے میڈیا آفس کا شائع کردہ میگزین۔

فہرست

سنتِ نبوی ﷺ وحی ہے اور قرآن کی وضاحت کرتی ہے 3

سیاسی فہم اور پالیسی سازی کے لوازم (۳): سیاسی فہم میں نقشے کا کردار 15

عاصم منیر کی سخت گیر پالیسی: پاکستان کو چھوڑ کر دیگر ریاستوں کو ابھرنے کا موقع فراہم کر رہی ہے! 22

اسلامی عقیدے کی انسانی فطرت (الفِطرۃ) کے ساتھ موافقت 26

آر تش اور پاسدارانِ انقلاب (IRGC) کے مابین باہمی اختلاف 32

کیا امریکی قومی قرضہ امریکی ڈالر کی عالمی بالادستی کے خاتمے کا سبب بن رہا ہے؟ 35

پاکستان کے حکمران امریکی فوجی اڈوں حفاظت کیلئے تعینات کرنے کی تیاری کر رہے ہیں 40

عالمی مالیاتی تباہی کے بنیادی اسباب 42

سوال کا جواب: عراق اور ایران نواز دھڑوں کا انجام 47

امریکہ–ایران کی جنگ سے حاصل ہونے والے چار اہم سبق 55

امریکہ – ترکیہ، پاکستان اور سعودیہ کا اتحاد 62

امریکی سفارت خانے جاسوسی اور اشتعال انگیزی کے مراکز ہیں 64

سوال کا جواب: سہ فریقی اتحاد سعودی، ترکی اور پاکستانی 67

امتِ مسلمہ کے خلاف جنگ میں لڑکھڑاتے ہوئے امریکہ کو حکمران بیساکھیاں کیوں فراہم کر رہے ہیں؟! 74

سنتِ نبوی ﷺ وحی ہے اور قرآن کی وضاحت کرتی ہے

مصعب عمیر، ولایہ پاکستان

تعارف: عربی زبان اور شرعی اصطلاح، دونوں میں سنت کے معانی

سُنّة، جس کی جمع "سُنَنٌ" ہے، لغوی اعتبار سے اس کے معانی طریقہ یا راستہ (سیرت) ہیں۔ بے مثال قرآنِ پاک، جس نے اپنے نزول کے بعد سے ہی قیامت تک کے لئے عربی زبان کیلئے ایک معیار مقرر کر دیا، کہتا ہے: ﴿**قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ**﴾ "تم سے پہلے کئی واقعات ہو چکے ہیں سو زمین میں سیر کرو" (آل عمران:137)۔ یہ لغوی اعتبار سے راستوں (سنن) کی طرف اشارہ ہے۔ عربی زبان کے عروج کے دور میں، اوّلین اور بہترین پُشت کے شاعر، خالد بن ظهیر الحزلی، قصیدہ لکھتے ہوئے مصرعے میں کہتے ہیں، فلا تجزعن من سنة انت سرتها واول راضي سنة من يسيرها" اس راستے (سنة) پر افسوس مت کرو جسے تم نے اپنایا، اس راستے (سنت) کو قبول کرنے والا پہلا شخص وہی ہے جس نے اسے اپنایا"۔

شرعی اصطلاح میں، سنت کے معانی دو طرح سے ہیں۔ **اول:** سنت مندوب عبادات کے معانی میں ہے جیسے سوموار اور جمعرات کے دن کا روزہ۔ یہ معنی فرض عبادت کے برعکس ہے جیسا کہ رمضان کے روزے رکھنا۔ **دوئم:** وہ تمام بھی سنت کے معنی میں ہے جو کچھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ پر اُن کے قولی، فعلی اور اقراری اعمال کی صورت میں نازل کیا۔ یہ دوسرا شرعی معانی اُس کے علاوہ ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلام کی صورت میں نازل کیا، یعنی قرآنِ کریم۔ لہٰذا قرآن کریم کی طرح، سنتِ مبارکہ بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہی نازل کردہ ہے۔ تاہم، قرآن کے برعکس، سنت اپنے فہم اور معانی کے اعتبار سے نازل ہوئی ہے نہ کہ اپنے الفاظ کے اعتبار سے؛ جبکہ قرآن مجید، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے الفاظ ہوتے ہوئے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلام ہی کی صورت میں نازل ہوا ہے۔ سنت کے معاملے میں، اللہ نے رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل کی اور آپ ﷺ نے اس وحی کو اپنے قول سے، فعل سے یا خاموشی کی صورت میں اپنی رضامندی سے ظاہر کیا۔

سنت، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہی نازل کردہ ہے

یہ حتمی طور پر ثابت شدہ ہے کہ سنت وحی ہی ہے جس کے دلائل اپنے ثبوت اور الفاظ میں حتمی ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا، ﴿**وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ**﴾ "اور نہ تو وہ اپنی خواہشِ نفس سے کچھ بولتے ہیں" (النجم:3)۔ ابنِ کثیر اپنی تفسیر میں اس آیت کے متعلق کہتے ہیں، ما يقول قولا عن هوى وغرض "(پیغمبر) اپنی خواہشِ نفس یا مرضی سے کچھ بھی نہیں کہتے"۔ امام قرطبی

اپنی تفسیر میں کہتے ہیں، ما يخرج نطقه عن رأيه ، إنما هو يوحي من الله عز وجل " کچھ بھی ایسا نہیں جو وہ اپنی مرضی سے بولتے ہوں۔ یہ صرف اللہ عزوجل کی طرف سے نازل کردہ وحی ہی ہے"۔

اللہ سبحانہ وتعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿إِنْ هُوَ إِلاَّ وَحْيٌ يُوحَى﴾ "یہ تو وحی ہی ہے جو ان پر اتاری جاتی ہے" (النجم: 4)۔ ابنِ کثیر بیان کرتے ہیں: إنما يقول ما أمر به ، يبلغه إلى الناس كاملا موفرا من غير زيادة ولا نقصان، "رسول اللہ ﷺ لوگوں سے کُلی طور پر، بغیر کسی اضافہ و تخفیف کے، صرف وُہی کہتے ہیں جو اُنہیں پہنچانے کا حکم دیا جاتا ہے"۔ ابنِ کثیر اپنی تفسیر میں امام احمد بن حنبل کا حوالہ دیتے ہیں۔ امام احمد روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمروؓ نے کہا: كنت أكتب كل شيء أسمعه من رسول الله صلى الله عليه وسلم أريد حفظه ، فنهتني قريش فقالوا إنك تكتب كل شيء تسمعه من رسول الله، ورسول الله صلى الله عليه وسلم بشر ، يتكلم في الغضب. فأمسكت عن الكتاب، فذكرت ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم فقال اكتب ، فوالذي نفسي بيده ، ما خرج مني إلا حق "میں ہر چیز لکھ لیا کرتا تھا جو کچھ میں رسول اللہ ﷺ سے سُنتا تھا، کیونکہ میں اُنہیں محفوظ کرلینا چاہتا تھا۔ قریش اس بات پر یہ کہتے ہوئے میری حوصلہ شکنی کیا کرتے تھے،'تم ہر وہ لفظ لکھ لیتے ہو جو تم رسول اللہ ﷺ سے سُنتے ہو، حالانکہ وہ ایک بشر ہیں اور بسا اوقات اس وقت بھی بولتے ہیں جبکہ وہ غصے میں ہوتے ہیں'۔ میں نے کچھ دیر کے لئے لکھنا چھوڑ دیا، مگر بعد میں رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا جو وہ (قریش) کہتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **اكْتُبْ فَوَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا خَرَجَ مِنِّي إِلَّا الْحَق** 'لکھو! اُس رب کی قسم، کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں حق کے علاوہ کوئی اور بات نہیں کہتا'۔ ابو داؤد نے بھی یہ حدیث رقم کی ہے۔ اس طرح، رسول اللہ ﷺ نے تصدیق کی کہ جو کچھ بھی اُن کی سنت میں موجود ہے، وہ دینِ حق ہی ہے۔ جس طرح، قرآن کی آیات بطور رہنمائی لی جاتی ہیں، بالکل اسی طرح احادیث بھی ہیں جو کہ سنت کو تشکیل دیتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ سے ہر طرح کی وحی کو لینا

سنت کو بطور شرعی قانون لینے کی فرضیت بھی اپنے حتمی ثبوت اور حتمی متن کے ساتھ حتمی ہے۔ لہٰذا، یہ تنہا قرآنِ کریم ہی نہیں ہے جو مسلمانوں کے اعمال کا تعین کرتا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ "جو بھی رسول ﷺ تمھیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو" (الحشر: 7)۔ عبداللہ بن مسعودؓ، اس واقعہ میں سنت کی توثیق کرتے ہوئے اس آیتِ مبارکہ کا حوالہ دیتے ہیں۔ یہ بخاری اور مسلم سے روایت ہے اور ابنِ کثیر نے اپنی تفسیر میں، امام احمد بن حنبل سے نقل کرتے ہوئے، اس کا ذکر کیا ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: لَعَنَ اللَّهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللَّهِ "اللہ سبحانہ وتعالی نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو ٹیٹو (tattoo) بناتی یا بنواتی ہیں، بھوویں بدلتی ہیں اور خوبصورتی کے لئے دانت تراشتی ہیں، اور جو اللہ نے تخلیق کیا اسے بدلتی ہیں"۔ ایک عورت آئی اور انہیں کہنے لگی: میں نے سُنا کہ آپ نے اس طرح کی عورتوں پر لعنت کی ہے۔ انھوں نے پوچھا: مَا لِي لَا أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ هُوَ فِي كِتَابِ اللَّهِ "میں کیوں نہ اُن پر لعنت کروں جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے اور وہ جو اللہ کی کتاب میں مذکور ہیں؟ وہ عورت بولی: میں نے وہ تمام پڑھا ہے جو (قرآن کے) پہلے اور آخری صفحے کے درمیان ہے لیکن مجھے اس میں ایسا کچھ نہیں ملا جو آپ ذکر کرتے ہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے جواب دیا: لَئِنْ كُنْتِ قَرَأْتِيهِ لَقَدْ وَجَدْتِيهِ أَمَا قَرَأْتِ: **(مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا)** "اگر تم نے یہ پڑھ لیا ہوتا، تو تم نے اسے پالیا ہوتا۔ کیا تم نے یہ نہیں پڑھا، " **اور جو بھی رسول ﷺ تمھیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو** " (الحشر: 7) ؟... اس عورت نے کہا: بے شک۔ تو انھوں نے کہا: فإنه قد نهى عَنهُ " لہٰذا، آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا"۔ اس طرح، عبداللہ بن مسعودؓ نے اس حقیقت کا حوالہ دیا کہ ان اعمال کی ممانعت سنت سے ثابت ہے، لہٰذا ان سے پرہیز کرنا لازم ہے۔

مؤمنین رسول اللہ ﷺ کی سنت کی مکمل اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں

اللہ سبحانہ وتعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿ **فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ، ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ، وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا** ﴾ "تمہارے رب کی قسم! یہ تب تک مومن نہ ہوں گے جب تک اپنے تنازعات میں (اے پیغمبر) آپ کو منصف نہ مان لیں اور جو فیصلہ آپ ﷺ کر دیں اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں اور خوشی سے تسلیم کر لیں" (النساء: 65)۔

ابنِ کثیر اس آیت کے شانِ نزول کے بیان میں سنت پر ایک اختلاف ہو جانے کے ایک واقعہ پر تبصرہ کرتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں، "بخاری نے روایت کیا کہ عروہ نے کہا: زبیر کا ایک شخص سے ایک ندی کے معاملے پر تنازعہ ہوا جسے دونوں اپنی زمینوں کی سیرابی کے لئے استعمال کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے زبیر سے کہا: **اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ "اے زبیر! پہلے تم اپنی زمین کو سیراب کرلو اور پھر پانی کو اپنے ہمسائے کی طرف بہنے دو"**۔ انصاری اس بات سے ناراض ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا یہ اس لئے ہے کہ وہ آپ کا رشتہ دار ہے؟ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک پر غصے کے تاثرات ظاہر ہوئے اور انہوں نے فرمایا، **اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ،ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ "اپنی زمین سیراب کرلو، اے زبیر! اور پھر پانی کو روک لو یہاں تک کہ وہ دیواروں تک پہنچ جائے۔ پھر اس پانی کو اپنے ہمسائے کی طرف بہنے**

دو"۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے زبیر کو ان اصل اور مکمل حق دے دیا جبکہ انصاری نے انہیں ناراض کر دیا تھا۔ اس سے پہلے، رسول اللہ ﷺ نے سخاوت پر مبنی فیصلہ کیا تھا، جو زبیر اور انصاری، دونوں کے لئے فائدہ مند تھا۔ زبیر نے کہا: میرا خیال ہے، کہ یہ آیتِ مبارکہ اسی صورتحال کے تناظر میں نازل ہوئی تھی، ﴿فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ " **تمہارے رب کی قسم! یہ تب تک مومن نہ ہوں گے جب تک اپنے تنازعات میں (اے پیغمبر) آپ ﷺ کو منصف نہ مان لیں"** (النساء:65)۔

امام شافعی کی کتاب، الرسالہ، جس میں فقہ بشمول سنتِ نبوی سے متعلق اصول مرتّب کئے گئے ہیں، اس میں اس آیت اور زبیر کے واقعہ کے حوالے سے امام شافعی بیان کرتے ہیں: نزلت هذه الآية فيما بلغنا والله أعلم في رجل خاصَمَ الزُّبَيْر في أرضٍ، فقضى النبي بها للزبير. وهذا القضاء سنة من رسول الله، لا حُكْمٌ منصوص في القُرآن. والقُرآن يدل والله أعلم على ما وصفْتُ، لأنه لو كان قضاءً بالقُرآن كان حُكماً منصوصاً بكتاب الله "یہ آیت جب نازل ہوئی، جہاں تک ہمیں خبر ملی ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، یہ ایک شخص سے متعلق تھی جو زبیر سے کسی زمین کے معاملے پر جھگڑ پڑا۔ رسول اللہ ﷺ نے زبیر کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اس فیصلہ سے رسول اللہ ﷺ کی سنت کی تشکیل ہوئی، ایسا حکم جو کہ قرآن میں واضح طور پر نص سے بیان نہ تھا۔ قرآن میں دلیل ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، جو کہ میں اُوپر بیان کر چکا ہوں۔ اگر یہ فیصلہ قرآن میں خود موجود ہوتا، تو یہ اللہ کی کتاب میں واضح طور پر نص کے ساتھ ایک حکم کی صورت میں ہوتا"۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ جو فیصلہ کر دیں، مؤمنین اسی پر سر تسلیم خم کرتے ہیں

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَلًا مُّبِينًا ﴾ "اور کسی مومن مرد اور عورت کو حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو وہ اپنے معاملات میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے بے حکم چلا، پس وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا" (الاحزاب:36)۔

عبد اللہ بن عباسؓ سے طاؤس نے عصر کی نماز کے بعد دو رکعت پڑھنے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اسے ایسا نہ کرنے کو کہا۔ ابن عباسؓ نے یہ آیت تلاوت کی، ﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلاَ مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ﴾ "اور کسی مومن مرد اور عورت کو حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو وہ اپنے معاملات میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں"۔ اس طرح، ابن عباسؓ نے طاؤس کو اس مسئلہ کے حل کے لئے سنت سے رجوع کرنے کا کہا۔

ابنِ کثیر اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں، هذه الآية عامة في جميع الأمور ، وذلك أنه إذا حكم الله ورسوله بشيء ، فليس لأحد مخالفته ولا اختيار لأحد هاهنا ، ولا رأي ولا قول "یہ آیت اپنے معانی میں عام ہے اور تمام امور پر لاگو ہوتی ہے۔ یعنی، جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ ایک مسئلے پر کوئی فیصلہ کر دیں، تو کسی کو اس سے مخالفت کا کوئی حق حاصل نہیں ہے اور نہ ہی کسی کو اس معاملے میں اپنی خواہش یا ذاتی رائے کا کوئی بھی اختیار ہے"۔ وہ مزید بیان کرتے ہیں، "حتیٰ کہ اس سے مخالفت کے معاملے کو ان سخت الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، کہ اللہ سبحانہ وتعالی ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَلاً مُّبِيناً ﴾ "اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے منہ موڑے گا، پس وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا"۔ لہٰذا قرآنِ مجید اور سنتِ رسول ﷺ میں جو بھی نازل ہوا ہے، اس میں اپنی رائے دینا یا اس سے رُوگردانی کرنے کی ہر گز کوئی گنجائش نہیں۔

مجمل کی تفصیل بیان کرتے ہوئے سنتِ مبارکہ قرآن کریم کی وضاحت کرتی ہے۔

ایسے متعدد دلائل موجود ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ سنت کس طرح قرآن کے مجمل متن کی تفصیل بیان کرتی ہے۔ قرآن مجید کے مجمل متن، اعمال کے لئے حکم دیتے ہیں جبکہ ان کی تفصیل، ان اعمال کو ادا کرنے کا طریقہ بیان کرتی ہے۔

امام نووی بیان کرتے ہیں، " على السنن مدار أكثر الأحكام الفقهيات، فإن أكثر الآيات الفروعيات مجملات، وبيانها في السنن المحكمات، وقد اتفق العلماء أن على القاضي والمفتي أن يكون عالمًا بالأحاديث الحكميات "سنن (سنت کی جمع) اکثر فقہی احکامات کا مرکز ہیں، کیونکہ بہت سی جزوی آیات مجمل ہیں اور سنت کے بیان میں ہی اُن کی وضاحت ملتی ہے۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ قاضی اور مفتی کے لئے لازم ہے کہ وہ (احکامات دینے والی) احادیث کا علم جانتے ہوں"۔ درحقیقت، سنت کے ذریعے مجمل متن کی تفصیل بیان کیے بغیر مسلمانوں کے لئے نماز ادا کرنا، حج اور زکوۃ کی ادائیگی ممکن نہ ہوگی یا دیگر بے شمار فقہی مسائل کے ساتھ یہ جاننا ممکن نہ ہوگا کہ کب چور کا ہاتھ کاٹنا ہے اور کب نہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَأَقِيمُوا الصَّلاةَ ﴾ "اور نماز قائم کرو" (البقرۃ: 43)۔ پس، اللہ سبحانہ وتعالی قرآنِ کریم میں مجمل انداز میں نماز کی فرضیت کا حکم دیتے ہیں، اور بغیر کسی تفصیل کے کہ آیا یہ ایک نماز ہے یا ایک سے زیادہ، اس کے ادا کرنے کا طریقہ اور رکعتوں کی تعداد کیا ہے، اوقاتِ نماز اور اس کے ارکان کیا ہیں جن کے بغیر نماز ادا نہیں ہو سکتی۔ پس، سنت سے ہی قرآن کے ان مجمل متن کی تفصیلات ملتی ہیں کہ نماز کس طرح پڑھنی ہے، رکعتوں کی تعداد اور اوقاتِ نماز وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے، **صَلُّوا كَمَا رأيتُموني أُصَلِّي** "اس طرح نماز ادا کرو جیسے تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو" (بخاری)۔ اس طرح، رسول اللہ ﷺ کے اعمال نے نماز سے متعلق دیگر احادیث کے ساتھ مسلمانوں پر اوقاتِ نماز اور رکعتوں کی تعداد کو واضح کر دیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ﴾ "اور اس گھر (بیت اللہ) کا حج کرنا لوگوں پر اللہ کا حق ہے، جو کوئی استطاعت رکھتا ہو" (آلِ عمران: 97)۔ قرآن مجید، مناسکِ حج کی تفصیلات بیان کئے بغیر، حج کی فرضیت کو کُلی طور پر بیان کرتا ہے۔ پھر یہ سنت ہی ہے جو قرآن کے اس مجمل کی تفصیل بیان کرتی ہے۔ فرمانِ نبوی ﷺ ہے، **أَلا فخُذُوا عَنِّي مَناسِكَكُم** "اپنے مناسک مجھ سے لو" (احمد)۔ لہٰذا مناسکِ حج کی ادائیگی کی تفصیلات ان احادیث سے ہی ملتی ہیں جو سنت کی تشکیل کرتی ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَآتُوا الزَّكَاةَ ﴾ "اور زکوٰۃ ادا کرو" (البقرۃ:24)۔ قرآن مجید اُن تفصیلات کے بغیر، جیسے وہ ملکیت جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یا فرضیت کا کم از کم نصاب وغیرہ، مجمل انداز میں زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم دیتا ہے۔ پھر یہ احادیث ہی ہیں جو کہ زکوٰۃ کا نصاب اور دیگر تفصیلات مقرر کرتی ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُواْ أَيْدِيَهُمَا جَزَاء بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِّنَ اللّهِ وَاللّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴾ "چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، یہ ان کی کمائی کی سزا ہے، اللہ کی طرف سے تنبیہ ہے اور اللہ زور آور، حکمت والا ہے" (المائدۃ:38)۔ اس اسلامی حکم کو لاگو کرنے کی تفصیل سنت سے ملتی ہے۔ ام المومنین عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **تُقْطَعُ اَلْيَدُ فِي رُبُعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا** "ہاتھ کا کاٹنا، ایک دینار کے چوتھائی یا اس سے زیادہ پر ہے" (بخاری)۔ ہاتھ کاٹنے کی سزا کا نصاب، سونے کے دینار کا ایک چوتھائی مقرر کیا گیا ہے جو کہ 1.0625 گرام سونے کے مساوی ہے کیونکہ شرعی طور پر سونے کے دینار کا وزن 4.25 گرام ہوتا ہے۔ سنت ہی یہ واضح اور متعین کرتی ہے کہ قحط سالی کے دوران ہاتھ کاٹنا موقوف ہو گا۔ امام سرخسی، المبسوط میں روایت کرتے ہیں کہ مکحول نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، **لَا قَطْعَ فِي مَجَاعَةِ مُضْطَرٍّ** "زبردست قحط کے دور میں کوئی ہاتھ نہ کاٹا جائے گا"۔

اسی لئے خلیفہ ٔراشد، عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قحط سالی کے دوران چور کا ہاتھ نہ کاٹ کر، سنت کی ہی پیروی کی۔ امام سرخسی، المبسوط میں امام حسنؒ سے یہ بھی روایت کرتے ہیں، کہ ایک شخص نے کہا، "میں نے دو آدمی دیکھے جو آپس میں بندھے ہوئے تھے اور ایک گوشت کا ٹکڑا ان کے پاس تھا۔ چنانچہ میں ان کو ساتھ لئے عمرؓ کے پاس گیا۔ پھر ان میں سے ایک نے، جو گوشت کا مالک تھا، کہا، "ہمارے پاس ایک حاملہ اونٹنی تھی جس کا ہم بچہ جننے کا انتظار کر رہے تھے، بالکل اسی طرح جیسے زرخیز بہار کا انتظار کیا جاتا ہے۔ لیکن پھر مجھے پتہ چلا کہ ان دونوں آدمیوں (چوروں) نے اس اُونٹنی کو ذبح کر دیا"۔ پس، عمرؓ نے فرمایا، "هَلْ يُرْضِيكَ مِنْ نَاقَتِكَ نَاقَتَانِ عُشَرَاوَانِ مُرْبِعَتَانِ؟ فَإِنَّا لَا نَقْطَعُ فِي الْعِذْقِ، وَلَا فِي عَامِ السَّنَةِ " "کیا تم اس کے بدلے دو اسی طرح کی حاملہ اُونٹنیاں لینا قبول کرو گے؟ یہ اس لئے ہے کہ ہم العذق کے دور میں ہاتھ نہیں کاٹتے اور نہ ہی قحط کے سال میں"۔

سنت عام کی تخصیص کرتے ہوئے قرآن کی وضاحت کرتی ہے

سنتِ مبارکہ قرآن کے عمومی متن کی تخصیص کرتے ہوئے، قرآن کی وضاحت بھی کرتی ہے۔ عربی لغت میں، عام لفظ معرفہ کی صورت (جس کیلئے عربی میں ال The استعمال ہوتا ہے) میں ہوتا ہے جس کے تحت دو یا دو سے زائد اقسام آتی ہوں، جن میں مذکورہ دلیل سے کوئی ترجیح واضح نہ ہو، ماسوائے یہ کہ کوئی تخصیص فراہم کی جائے۔ لفظ "الملائکہ" پر غور کریں جو عام ہوتے ہوئے ہر فرشتے پر لاگو ہوتا ہے۔ یہ اپنے سے نیچے موجود ہر چیز کے حوالے سے عام ہے، جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل۔ شریعت میں، عمومی متن کی سنت سے تخصیص کی بہت سی مثالیں ہیں، جن میں وراثت اور طلاق سے متعلق احکامات بھی شامل ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حکم دیا کہ اولاد اپنے والدین کی وارث ہوتی ہے: ﴿ **يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ** ﴾ "اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں ہدایت فرماتا ہے، ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے" (النساء: 11)۔ اس طرح یہ آیت ہر باپ سے وراثت لینے میں عام ہے۔ یہ موُرث کے حوالے سے ہے یعنی جو شخص کوئی میراث چھوڑتا ہے۔ آیت، ہر وارث کے لئے بھی عام ہے۔ اس طرح، اس میں ہر باپ اور ہر وارث آتے ہیں جب تک کہ کوئی تخصیص نہ کی گئی ہو۔

پس سنت نے ہی اس عمومی متن کو مخصوص کیا اور موُرث باپ، جس سے میراث لی جائے، کے حکم سے انبیاء کو مستثناء رکھا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا؛ "**لا نُورَثُ ما تَرَكناهُ صَدَقَة** " "ہم (انبیاء) وراثت نہیں چھوڑتے، ہم جو کچھ چھوڑ دیں وہ صدقہ ہے " (بخاری، مسلم واحمد)۔ سنت، قاتل کو علیحدہ کرتے ہوئے، ورثا کی تخصیص بھی کرتی ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا؛ **ولا يرِثُ القاتِلُ شيأً** " قاتل کسی شے کا وارث نہیں ہوتا" (ابوداؤد)۔ لہٰذا، ایسے مسئلے میں جب کسی وارث نے اپنے حصہ کے لئے دوسرے وارث کو قتل کر دیا ہو، قرآنِ کریم کے اس عمومی متن کی سنتِ مبارکہ سے تخصیص کی رُو سے، اسلامی عدالت کو ایسے وارث کو اس کے حصہ سے ضرور الگ رکھنا چاہیئے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ **وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا** ﴾ "اور تم میں جو لوگ مر جائیں، اور بیوائیں چھوڑ جائیں، وہ اپنے تئیں چار مہینے اور دس دن تک انتظار کریں" (البقرۃ: 234)۔ یہ آیتِ مبارکہ عدت کے دنوں کی عمومی طور پر نشاندہی کرتی ہے کہ جس میں بیوہ دوبارہ نکاح نہیں کر سکتی۔ پھر اس آیت کی سُبیعَة الأَسلمية والی حدیث سے تخصیص ہوتی ہے جب انہوں نے اپنے خاوند کے انتقال کے پچیس دن بعد بچے کو جنم دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے کہا کہ اب اسے دوبارہ نکاح کی اجازت ہے، اس طرح سنت نے واضح کیا کہ یہ آیت غیر حاملہ بیوہ کے لئے مخصوص ہے۔

سلمان بن یاسر روایت کرتے ہیں کہ ابوہریرہؓ، ابنِ عباسؓ اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؒ سے مذکور ہے کہ وہ حاملہ عورت جس کا خاوند انتقال کر جائے اور وہ اپنے شوہر کے انتقال کے بعد بچے کو جنم دے۔ چنانچہ ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں، تَعْتَدُّ آخِرَ الأَجَلَيْنِ "وہ (عورت) دو (حیض) کی میعاد تک عدت مکمل کرے"۔ ابوسلمہؒ فرماتے ہیں، بَلْ تَحِلُّ حِينَ تَضَعُ "بلکہ، اس عورت کو اجازت ہے جب وہ جنم

دے چکے "۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں، أَنَا مَعَ ابْنِ أَخِي "میں اپنے بھتیجے کے ساتھ ہوں"، یعنی ابو سلمہؓ۔ چنانچہ انہوں نے اُم المؤمنین اُم سلمہؓ کو پیغام بھیجا۔ تو انہوں نے فرمایا، **قَدْ وَضَعَتْ سُبَيْعَةُ الأَسْلَمِيَّةُ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِيَسِيرٍ فَاسْتَفْتَتْ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَأَمَرَهَا أَنْ تَتَزَوَّجَ** "سُبيعَة الأَسلمية نے اپنے شوہر کے انتقال کے مختصر ہی عرصے بعد بچے کو جنم دیا، اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس امر کے بارے میں فیصلہ چاہا تو آپ ﷺ نے اسے شادی کی اجازت دی" (ترمذی)۔ اس طرح، صحابہؓ کے مابین اختلاف کے مسئلے میں، عدت کے حوالے سے قرآن میں مذکور عمومیت کو حدیث نے مخصوص کیا کہ اس کا اطلاق صرف اُس بیوہ پر ہے جو حاملہ نہ ہو۔

سنت مطلق کو مقید (تقید المطلق) کرتے ہوئے قرآن کی وضاحت کرتی ہے

قرآن مجید میں ایسی آیات ملتی ہیں جو مطلق کے معنی میں ہیں۔ اور یہ سنتِ نبوی ﷺ ہی ہے جو ان کی حدود متعین کرتی ہے۔

جہاں تک عربی میں مطلق کا تعلق ہے، تو یہ نقرہ الفاظ پر بنایا گیا ہے جو عام سے مختلف ہے جو معرفہ الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے۔ غیر معینہ صورت میں یہ لفظ ایک مشترک معنی کو ظاہر کرتا ہے جو اس کی صنف (جنس) میں سے ہو، اور اس معانی میں وہ مطلق ہوتا ہے۔ لہذا لفظ "مسلم" کا اطلاق مسلمانوں کی جنس کے تمام ارکان پر ہوتا ہے جس میں مطلقاً تمام مسلمان شامل ہیں۔ مطلق عام سے مختلف ہے کیونکہ یہ معرفہ ہوتا ہے جس کے تحت ہر مسلمان آتا ہے، نہ کہ کوئی مسلم۔

مطلق مقید سے متضاد ہے جو ایک معین، منفرد معانی دیتا ہے جیسے "زید"، نہ کہ "ایک انسان" یا "تین دنوں کا روزہ" نہ کہ "ایک روزہ"۔ یہ اس زبان کے متعلق ہے جس میں وحی نازل ہوئی، یعنی عربی۔ اب یہ ملاحظہ کریں کہ سنت کس طرح قرآن کے مطلق کو مقید کرتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ **وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ فَمَنْ كَانَ مِنكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ** ﴾ "اور اپنے سر کی حجامت نہ کرو جب تک کہ قربانی اپنے ٹھکانے پر نہ پہنچ جائے۔ پھر جو کوئی تم میں مریض ہو، یا اس کے سر میں کوئی بیماری ہو، تو اس کا فدیہ دے، روزہ یا صدقہ یا قربانی" (البقرۃ:196)۔

عربی کے الفاظ، صیام (روزہ)، صدقہ اور نسک (قربانی) گرامر کے حساب سے نکرہ حالت میں مذکور ہوئے ہیں۔ لہٰذا وہ بغیر کسی قید کے اپنے مفہوم میں مطلق ہیں۔ یہاں روزہ اپنی جنس میں بغیر کسی قید کے روزہ ہے۔ یہاں صدقہ اپنی جنس میں بغیر کسی قید کے صدقہ دینا ہے۔ اور یہاں قربانی اپنی جنس میں بغیر کسی قید کے قربانی کرنا ہے۔ تو اب مومن کو یہ کیسے معلوم ہو کہ کتنے روزے رکھنے ہیں، کتنا صدقہ دینا ہے یا کتنی قربانی کرنی ہے؟ اس مطلق کو مقید کی ضرورت ہے۔

یہ الہامی سنتِ مبارکہ ہی ہے جو مطلق کو قید کرتے ہوئے، فدیہ کے روزے، خیرات اور قربانی کے حوالے سے حدود مقرر کرتی ہے۔ یہ سنت ہی ہے جو "صیام" کو تین دن کے روزے تک قید کرتی ہے۔ یہ سنت ہی ہے جو "صدقہ" کو چھ مسکینوں کے لئے ایک فراق تک قید کرتی ہے، جبکہ فراق تین صاع ہے، اس طرح ہر مسکین کے لئے نصف صاع ہے۔ اور اسی طرح سنت ہی ہے جو "قربانی" کو ایک مادہ بھیڑ ذبح کرنے تک قید کرتی ہے۔

مسلم سے مروی ہے کہ کعب بن اُجرہؓ بیان کرتے ہیں کہ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ احرام کی حالت میں ان کے پاس سے گزرے اور کعب اس وقت کھانے کے برتن تلے آگ جلارہے تھے اور حشرات کعبؓ کے چہرے پر رینگ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا، **أَيُؤْذِيكَ هَوَامُّكَ هَذِهِ**، "کیا یہ حشرات تمہیں تنگ کرتے ہیں؟"۔ کعبؓ نے کہا، "جی ہاں"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **فاحلِقْ رَأْسَكَ وأطْعِم فَرْقاً بين ستَّةِ مَساكينَ والفرقُ ثلاثةُ آصُعٍ أو صُم ثلاثة أيامٍ أوِ انسَك نسيكةً** "اپنے سر کی حجامت کرو یا چھ مساکین کو ایک فراق کھانا کھلاؤ اور فراق تین صاع ہے، یا تین دن روزے رکھو یا ایک قربانی کا جانور ذبح کرو"۔ بخاری کی روایت میں، رسول اللہ ﷺ نے کعب سے کہا، **مَا كُنْتُ أُرَى أَنَّ الْجَهْدَ قَدْ بَلَغَ بِكَ هَذَا أَمَا تَجِدُ شَاةً** "میں نے یہ کبھی نہ سوچا تھا کہ تمہاری بیماری (یا مشقت) اتنی حد تک بڑھ جائے گی جیسا کہ میں دیکھتا ہوں۔ کیا تم ایک بھیڑ کی استطاعت رکھتے ہو؟"۔ کعب نے جواب دیا، "نہیں"۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا، **صُمْ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ، أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ، لِكُلِّ مِسْكِينٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ طَعَامٍ، وَاحْلِقْ رَأْسَكَ** "تین دن روزے رکھو یا چھ مساکین کو کھانا کھلاؤ، ہر ایک کو نصف صاع ہو اور اپنے سر کی حجامت کرو" (بخاری)۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ **مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ** ﴾ "یہ اس وصیت اور قرض کے ادا کر دینے کے بعد ہے" (النساء: 11)۔ لفظ "وصية" اپنی مرضی سے اپنی وصیت میں سے صدقہ دینے کے حوالے سے ہے۔ یہ نکرہ کے زُمرے میں ایک مطلق حوالے سے ہے۔ یہ کسی معین کی حد کے بغیر کوئی بھی وصیت ہے، یعنی بغیر کسی مخصوص مقدار کے۔

پھر یہ سنتِ مبارکہ ہی ہے جو وصیت کی رقم سے دیے گئے صدقے کو ایک تہائی یا کم پر مقید کرتی ہے، اس لئے یہ جائز نہیں کہ مرنے والے کی میراث سے صدقے کے لئے ایک تہائی سے زیادہ رقم لے لی جائے۔ سعدؓ سے مروی ہے، "میں مکہ میں شدید بیمار ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ مجھ سے ملنے آئے۔ میں نے کہا، "اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اپنے بعد ایک اچھا خاصا ترکہ چھوڑ جاؤں گا، لیکن میری وارثہ صرف ایک بیٹی ہے، کیا میں یہ وصیت کر دوں کہ میری جائیداد کا دو تہائی خیرات میں خرچ ہو اور ایک تہائی (اپنی وارثہ کے لئے) چھوڑ دوں؟"۔ رسولِ اکرم ﷺ نے کہا، **لاَ**، "نہیں"۔ میں نے کہا، "کیا میں نصف وصیت کر دوں اور نصف چھوڑ دوں؟" رسولِ اکرم ﷺ نے کہا، **لاَ**، "نہیں"۔ میں نے کہا، "کیا میں ایک تہائی وصیت کر دوں اور دو تہائی چھوڑ دوں؟"۔ رسولِ اکرم ﷺ نے کہا، **الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ** "ایک تہائی، اگرچہ ایک تہائی بھی بہت زیادہ ہے" (بخاری)۔

سنت قرآن میں موجود اصل سے احکامات کی فرع کو جوڑ کر قرآن کی وضاحت کرتی ہے

سنت، احکامات کی فروعات میں سے ایک فرع کو اپنے اصل سے جوڑتی ہے جو قرآن میں وارد ہو۔ یہ ممکن ہے کہ بظاہر سنت میں موجود فروعی حکم ہی اصل حکم ظاہر ہو۔ تاہم، جانچ پڑتال کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ حقیقتاً یہ قرآن کے اصل کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ سنت کے ایسے احکامات جن کا اصل قرآن میں وارد ہوا ہو، ان کی بہت سی مثالیں ہیں۔

جن عورتوں سے شادی کی ممانعت ہے، اس ممانعت والی آیت میں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ کہتے ہوئے دو بہنوں سے اکٹھا شادی کرنے کو بھی اس ممانعت میں شامل کیا ، ﴿ **وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ** ﴾ "اور دو بہنوں کو ایک ہی وقت میں نکاح میں اکٹھا کرنا" (النساء: 23)۔ اس طرح، اصل حکم دو بہنوں کو نکاح میں اکٹھا لینے کی ممانعت ہے۔ یہ سنت ہی ہے جو اصل کے ساتھ دوسری شاخوں کو جوڑ کر، ایک عورت کے ساتھ اس کی پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی کو نکاح میں لینے کی ممانعت کرتے ہوئے اس کی وضاحت کرتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اصل حکم کے ساتھ اضافہ کرتے ہوئے واضح کیا، **لَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا وَلَا عَلَى خَالَتِهَا وَلَا الْمَرْأَةُ عَلَى ابْنَةِ أَخِيهَا وَلَا عَلَى ابْنَةِ أُخْتِهَا** "ایک عورت اوراس کی خالہ یا پھوپھی اکٹھی نکاح میں نہیں لی جاسکتیں نہ ہی اس کی بھانجی یا بھتیجی سے ایک ہی وقت میں نکاح کیا جاسکتا ہے" (احمد)۔ ابن حبان نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا، **نهَى رسولُ اللهِ صلى اللهُ عليهِ وسلَّمَ أن تُزَوَّجَ المرأةُ على العمَّةِ والخالةِ قالَ إنَّكُنَّ إذا فعَلتُنَّ ذلك قطَّعْتُنَّ أرحامَكُنَّ** "رسول اللہ ﷺ نے عورت کے ساتھ اس کی پھوپھی یا خالہ سے شادی سے منع کیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا، اگر تم (عورتوں) نے ایسا کیا تو تم نے اپنے رحم کا رشتہ کاٹ دیا"۔ اس طرح آپ ﷺ نے ان عورتوں سے شادی کی ممانعت کو دو بہنوں کو اکٹھا نکاح میں لینے سے جوڑ دیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ **وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ** ﴾ "تمہاری وہ مائیں جو تمہیں دودھ پلا چکی ہوں اور تمہاری دودھ شریک بہنیں" (النساء: 23)۔ لہٰذا، ایک آدمی اس عورت سے شادی نہیں کر سکتا جس نے اسے دودھ پلایا ہو اور نہ ہی اُن کی بیٹیوں سے شادی کر سکتا ہے۔ یہ سنت ہی ہے جو محرم رشتوں کی عورتوں سے نکاح کی ممانعت میں رضاعت کے رشتوں کی ممانعت کا بھی اضافہ کرتی ہے۔ اس طرح، سنت نے رضاعی ماں اور رضاعی بیٹی، رضاعی پھوپھی، رضاعی خالہ، رضاعی بہن اور رضاعی بھائی کی بیٹی اور اسی طرز کے دوسرے رشتوں کا اضافہ کر دیا۔

ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو حمزہؓ کی بیٹی سے شادی کی پیشکش ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، **إِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِي إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِي مِنْ اَلرَّضَاعَةِ وَيَحْرُمُ مِنْ اَلرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنْ اَلنَّسَبِ** "وہ مجھ پر حلال نہیں کیونکہ وہ رضاعت کے رشتے سے میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے اور جو خونی رشتوں (نسب) سے محرم ہیں وہ رضاعت کے رشتوں سے بھی محرم ہیں" (بخاری و

مسلم)۔ اس طرح، حدیث نے قرآن میں مذکور رضاعی ماں اور رضاعی بہن سے جڑے خواتین کے رشتوں کا اضافہ کرتے ہوئے نسب (خون) کے رشتوں کی ممانعت کو رضاعت کے رشتوں کی ممانعت سے منسلک کر دیا۔

سنت سے بیان کردہ اصل احکامات جن کا ماخذ قرآن میں نہیں ہے

مزید برآں، رسول اللہ ﷺ نے نئے احکامات بیان کئے جن کا اصل ماخذ قرآنِ کریم سے منسلک نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے ہر نئے حکم کو قرآن میں اس کی اصل کے ساتھ منسلک کرنا ضروری نہیں ہے، اگرچہ زیادہ تر احکامات میں ایسا نہیں ہے۔

اس کی ایک مثال، عوامی اثاثہ جات کی عوامی ملکیت میں ہونے کی تصدیق ہے، جو ایک نیا حکم ہے اور سنت میں ہی موجود ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: **المسلمون شُركاءُ في ثلاثٍ: في الكلإِ والماءِ والنارِ** "مسلمان تین چیزوں میں شراکت دار ہیں، پانی، چراگاہیں اور آگ" (ابوداؤد)۔ یہ حکم اپنے اصل میں قرآن سے اخذ کردہ نہیں ہے۔ یہ سنت کا ہی بیان کردہ اصل حکم ہے۔

دوسری مثال کسٹم ٹیکس کی ممانعت ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: **لا يدخُلُ الجنَّةَ صاحِبُ مَكْسٍ** "کسٹم ٹیکس مسلط کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا" (احمد)۔ یہ حکم اپنے اصل میں قرآن سے اخذ کردہ نہیں ہے۔

تو یہ کچھ مثالیں ہیں، اگرچہ زیادہ تر مثالوں میں رسول اللہ ﷺ جو نئے احکامات لائے ہیں وہ اپنے اصل میں قرآن سے ہی منسلک ہیں۔

نتیجہ: سنتِ نبوی ﷺ وحی ہے جو قرآن کی وضاحت کرتی ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ **فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ** ﴾ "اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف ہو تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ (کے حکم) کی طرف رجوع کرو" (النساء:59)۔ اللہ کی طرف رجوع کرنے کا مطلب قرآنِ پاک کی طرف رجوع کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے رجوع کا مطلب، ان کی حیاتِ مبارکہ میں ان سے رابطہ کرنا اور پھر اُن کی رحلت کے بعد اس کا مطلب ان کی سنتِ مبارکہ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اسی لئے ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے لہٰذا سنت کو علیحدہ کرتے ہوئے ہم صرف وہی لیتے ہیں جو اس کتاب میں ہے۔ ہم، قرآن و سنت دونوں کو ہی شرعی احکامات کے طور پر لیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تنبیہ کی، **يُوشِكُ رَجُلٌ مُتَّكِأً عَلى أَرِيكَتِهِ, يُحَدَّثُ بِحَدِيثٍ مِن حَدِيثِي, فَيَقُولَ: بَيْنَنَا وَبَيْنَكُم كِتَابُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ, مَا وَجَدْنَا فِيهِ مِنْ حَلالٍ اسْتَحْلَلْنَاهُ, وَمَا وَجَدْنَا فيهِ مِن حَرَامٍ حَرَّمْنَاهُ, أَلاَ وإِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُولُ اللهِ صَلَى اللهُ علَيْهِ وسَلَّمَ مِثْلُ ما حَرَّمَ اللهُ** "اس میں کوئی شک نہیں کہ تم میں سے ایک شخص اپنے بستر پر ٹیک لگائے ہوئے ہو، جسے میری حدیث سنائی جائے اور وہ کہے: ہمارے اور تمہارے درمیان بس، اللہ

عزوجل کی کتاب ہی ہے جو کچھ حلال ہم اس میں پائیں گے اسے ہم جائز کریں گے اور جو کچھ حرام ہو گا اس سے ہم منع کریں گے۔ نہیں، بلکہ اللہ کے رسول ﷺ نے جو کچھ بھی منع کر دیا وہ بالکل ایسے ہی ہے جو اللہ نے منع کر دیا"(ابن ماجہ)۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿ **وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ** ﴾ "اور ہم نے تم پر یہ کتاب (نصیحت) نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں پر کھول کر بیان کر دو جو ان پر نازل کیا گیا ہے"(النحل:44)۔ ابنِ کثیر بیان کرتے ہیں، ولعلمنا بأنك أفضل الخلائق وسيد ولد آدم ، فتفصل لهم ما أجمل ، وتبين لهم ما أشكل "اور ہمیں یہ بتانے کے لیے کہ آپ ﷺ سب سے بہترین مخلوق ہیں اور آپ ﷺ آدم کی آل کے آقا ہیں، کیونکہ آپ ﷺ ان کے لیے مجمل کی تفصیل بیان کرتے ہیں اور ان کے لیے وہ تمام واضح کرتے ہیں جو مبہم ہے"۔ یقیناً، یہ سنتِ نبوی ہی ہے جو کہ قرآن مجید کی تشریح کرنے والی ہے۔ سنتِ نبوی، قرآن مجید میں مجمل کی تفصیل بیان کرتی ہے۔ سنتِ نبوی ہی قرآن میں عام کی تخصیص کرتی ہے۔ سنتِ نبوی ہی قرآن میں مطلق کو قید کرتی ہے۔ سنتِ نبوی ہی شرعی احکامات کی فرع کو قرآن مجید میں ان کی اصل سے منسلک کرتی ہے۔ یہاں تک کہ کچھ ایسی مثالیں بھی ہیں، جن میں سنت نبوی نے نئے احکامات بیان کئے ہیں، جن کا ماخذ قرآن مجید میں نہیں ہے۔ اسی لئے، سنتِ نبوی بالکل اسی طرح ایک شرعی دلیل ہے جیسے کہ قرآنِ پاک ایک شرعی دلیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، **تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللهِ وسُنَّةَ نَبِيِّهِ** "میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم انہیں مضبوطی سے پکڑو گے تو تم کبھی بھی گمراہ نہیں ہو گے: اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت"(موتہ امام مالک)۔

فہرست

سیاسی فہم اور پالیسی سازی کے لوازم (۳): سیاسی فہم میں نقشے کا کردار

لقمان حرزاللہ

یہ قول بالکل صحیح ہے کہ جو سیاست دان نقشے کو نہیں جانتا وہ سیاست نہیں جانتا؛ کیونکہ نقشہ اور اس کا علم سیاسی فہم میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

نقشے سے متعلق معلومات صرف اس ملک کے محلِ وقوع تک محدود نہیں جس میں کوئی خاص واقعہ رونما ہوا ہو، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر، اس ملک کی نقشے پر پوزیشن، جغرافیائی ساخت، حدود کی نوعیت، بحری رابطہ، اہم جغرافیائی خصوصیات، آبادی کا ڈھانچہ (جیسے تعداد، کثافت، لوگوں کی فطری صفات)، نیز اس ملک کی توانائی اور ٹیکنالوجی پر دستیابی کو سمجھنا ہے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کسی ریاست کے محلِ وقوع سے متعلق سیاسی خصوصیات اور اسٹریٹیجک خصوصیات کے مابین ایک باہمی ربط پایا جاتا ہے۔ سیاسی خصوصیات کسی ریاست کو بین الاقوامی سطح پر نمایاں مقام دلانے میں مدد دیتی ہیں، اور سیاسی تجزیہ کار کو اس ریاست سے متعلقہ سیاسی امور کو سمجھنے کا موقع فراہم کرتی ہیں؛ جبکہ نقشے پر ریاست کے اسٹریٹیجک محلِ وقوع کو سمجھنا، عسکری تجزیے اور ریاست کی فوجی پوزیشن کو مؤثر بنانے میں مدد دیتا ہے۔ یہ باہمی ربط اس لیے ہے کیونکہ کسی بھی ریاست کی سیاسی طاقت اس کی عسکری طاقت سے گہری طور پر منسلک ہوتی ہے۔

کسی ریاست کے محلِ وقوع کو سمجھنے کے لیے کئی پہلوؤں کا ادراک ضروری ہے؛ ان میں سے ایک یہ ہے کہ آیا وہ ریاست ایک "برّی ریاست" (Continental State) ہے، یا "بحری ریاست" (Maritime State)، یا دونوں اوصاف کی حامل ہے۔ برّی ریاست وہ ہوتی ہے جس کا جغرافیائی محل وقوع خشکی کے اندر ہوتا ہے، یعنی جس کی سرحدیں خشکی سے گھری ہوئی ہوں اور اس کا کوئی بحری راستہ نہ ہو۔ بحری ریاست وہ ہے جو سمندر میں واقع ہو، یعنی جس کی سرحدیں سمندر یا بحر سے متصل ہوں۔ اور جہاں تک ان ریاستوں کا تعلق ہے جو دونوں صفات کی حامل ہوتی ہیں، تو یہ وہ ریاستیں ہوتی ہیں جن کے پاس ایک بڑا برّی رقبہ بھی ہوتا ہے اور ساتھ ساتھ سمندروں یا بحیروں تک کھلی رسائی بھی ہوتی ہے۔

برّی ریاست کی قوت ایک "برّی قوت" ہوتی ہے، یعنی اس کی طاقت خشکی سے جڑے ہوئے عناصر سے وابستہ ہوتی ہے، جیسے کہ زمین کی ساخت، نقل و حمل کے زمینی راستے، تجارت، اور بری فوجی طاقت۔ جبکہ بحری ریاست کی قوت "بحری قوت" کہلاتی ہے، جو سمندری راستوں کے کھلے پن، بحری بیڑوں کی نقل و حمل اور جنگی صلاحیت، تجارت کے وسیع افق، اور دیگر اقوام سے رابطے کی وسعت پر مبنی ہوتی ہے۔ لہٰذا برّی ریاست بحری طاقت سے محروم ہوتی ہے، اور اس کی عالمی سطح پر اثرانداز ہونے کی صلاحیت بحری

ریاستوں کے مقابلے میں کم ہوتی ہے۔ البتہ وہ ریاستیں جو برّی اور بحری دونوں اوصاف رکھتی ہیں یعنی جن کی زمین بھی وسیع ہو اور سمندر سے بھی ان کا رابطہ ہو، تو ان کے لیے عالمی سطح پر اعلیٰ مقام حاصل کرنا نسبتاً زیادہ ممکن ہوتا ہے۔

برّی ریاستوں میں وہ ریاستیں شامل ہیں جو براعظموں کے مراکز میں واقع ہیں جیسے افغانستان، چاڈ، نائجر، بولیویا، اور پیراگوئے۔ اور بحری ریاستوں کی مثال برطانیہ، آسٹریلیا، جاپان، فلپائن، اور انڈونیشیا ہیں۔ اور وہ ریاستیں جو دونوں خصوصیات رکھتی ہیں ان کی مثال امریکہ، اسپین، ترکی، ہندوستان، مصر، لیبیا، الجزائر، یمن، بلاد الشام، ایران، پاکستان، فرانس، اٹلی، جرمنی، اور چین ہیں۔ جہاں تک روس کا تعلق ہے تو اس کا زمینی حصہ بڑا ہے، مگر اس کا سمندری رابطہ برفانی پانیوں سے ہے، جس سے سمندر تک اس کی رسائی بہت مہنگی پڑتی ہے۔ اسی لیے روس نے ہمیشہ اپنی تاریخ میں گرم پانیوں تک رسائی کے لیے زبردست کوششیں کی ہیں، اور آج بھی کر رہا ہے، تاکہ اسے سمندری جہت حاصل ہو سکے۔

کسی ریاست کا نقشے پر محلِ وقوع آج بھی اس کی عالمی حیثیت کے تعین میں ایک فیصلہ کن عنصر ہے، خاص طور پر اس کی بیرونی دنیا سے جڑنے کی صلاحیت کے اعتبار سے، یا اس کے بین الاقوامی رابطوں میں استعمال ہونے والے راستوں کے اہم حصوں پر واقع ہونے کے لحاظ سے۔ البتہ تمام بحری ریاستیں یکساں نہیں ہوتیں؛ وہ ریاستیں جو اہم جغرافیائی عناصر سے جڑی ہوتی ہیں، عالمی سطح پر زیادہ اثر و رسوخ حاصل کرنے کی اہل ہوتی ہیں۔ ان اہم جغرافیائی عناصر میں شامل ہیں: جزائر، آبنائیں، برزخ (زمین کی پتلی پٹی جو دو پانیوں کو ملاتی ہے)، اور وہ مقامات جو بین الاقوامی نقل و حمل کی گزرگاہوں پر واقع ہوتے ہیں۔

جزیرے کئی حوالوں سے بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہیں؛ اگر کسی ریاست کی سرحدیں کسی اہم علاقے میں جزیروں کے ایک مجموعے (آرکی پیلاگو) پر محیط ہوں، اور وہ اپنے اردگرد کے سمندر پر قابض ہو، تو اس کا عالمی وزن ہوتا ہے۔ اسی لیے جاپان نے بحر الکاہل پر قابض ہونے کی کوشش کی، اور شاید اس کے "پرل ہاربر" کی بندرگاہ پر حملے کا مقصد بحر الکاہل کے علاقے پر قبضے کرنا تھا، کیونکہ اگر وہ ایسا کر پاتا تو آسانی سے صفِ اول کی ریاست کا مقام حاصل کر سکتا تھا۔ اگر جزیرے تجارتی شاہراہوں پر واقع نہ بھی ہوں، تب بھی اگر ان کا محلِ وقوع ایسی پوزیشن رکھتا ہو جس سے وہ دیگر ریاستوں پر اثر انداز ہو سکتے ہوں، تو انہیں فوجی اڈوں کے طور پر قابو میں لایا جاتا ہے — جیسے جزائر سلیمان، جو آسٹریلیا کے شمال مشرق میں واقع ہیں، یا سقطری جزائر، جو یمن کے جنوب اور قرنِ افریقی کے سامنے واقع ہیں۔ جزائر کی اس تقسیم میں وہ خطے بھی شامل ہیں جو "نیم جزیرہ" (شبہ جزیرہ) کہلاتے ہیں، جیسے کریمیا کا جزیرہ نما۔

بین الاقوامی سمندری نقل و حمل کی راہیں عموماً کھلے سمندروں میں گزرتی ہیں، اور اگر کسی وجہ سے راستہ تبدیل کرنا پڑے، تو ایسا کرنا اصولی طور پر دشوار نہیں ہوتا۔ لیکن جب نقل و حمل کے راستے آبناؤں سے گزرتے ہیں تو ان آبناؤں کی حیثیت ناگزیر گذرگاہوں کی ہو جاتی ہے، کیونکہ اکثر اوقات راستہ انہی تنگ گزرگاہوں تک محدود ہوتا ہے۔ برطانیہ کا جبرالٹر اور باب المندب پر قبضہ

اس وقت اس کے عالمی اثر و رسوخ کے آلات میں سے ایک بن گیا جب وہ دنیا کی پہلی ریاست تھی۔ آبنائے تائیوان جس سے سالانہ 500,000 سمندری تجارتی سفر گزرتے ہیں (الشرق الأوسط، 2023/8/21)، امریکہ نے اسی کو چین پر اثر اندازی اور اُس سے ٹکراؤ کا میدان بنایا، اور تائیوان کی حکومتی قیادت کو اپنی طرف مائل کر کے وہاں اپنی گرفت مضبوط کی۔ آبنائے باسفورس نے استنبول کے علاقے کو بین الاقوامی سطح پر ایک مؤثر علاقہ بنا دیا، جس نے اتحادیوں کو لوزان معاہدے میں اسے ایک خاص حیثیت دینے پر مجبور کیا جس میں آبنائے باسفورس، دردنیل، بحیرہ مرمرہ، اور کچھ ترک و یونانی جزائر کو غیر عسکری (demilitarized) قرار دینے کی شرط رکھی گئی۔

جہاں تک برزخ کا تعلق ہے، تو یہ زمین کا ایک پتلا ٹکڑا ہوتا ہے جو دو آبی گزرگاہوں کو ملاتا ہے۔ اور بین الاقوامی نقل و حمل کے راستوں میں برزخ کی موجودگی اسے سمندری جہازوں کے دونوں سروں پر لنگر انداز ہونے اور روانہ ہونے کا ایک مرکز بناتی ہے، یا پھر وہ ریاست جو اس پر واقع ہو، اس میں ایک نہر کھودنے کی جانب مائل ہوتی ہے تاکہ دونوں کناروں کو براہِ راست ملایا جاسکے۔ اس کی مثال نہر سویز، نہر پاناما، اور نہر کیئل ہیں۔ پانامہ کی نہر کو وجود میں لانے سے قبل، برزخِ تیوانتی پیک (Tehuantepec) وہ مختصر ترین زمینی راستہ تھا جو خلیج میکسیکو اور بحر الکاہل کو آپس میں جوڑتا تھا

یہ بات بالکل واضح ہے کہ بڑی ریاستیں اگر سمندروں تک رسائی حاصل نہ کر سکیں، تو وہ ان درمیانی ریاستوں پر انحصار کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں جو ان کے اور سمندر کے درمیان واقع ہوتی ہیں۔ اور یہاں تک کہ وہ ریاستیں بھی، جنہیں عالمی سطح پر کوئی خاص حیثیت حاصل نہیں، اس مسئلے کو بڑی سنجیدگی سے لیتی ہیں۔ مثال کے طور پر ایتھوپیا نے سن 2023 میں علیحدگی پسند ریاست "ارضِ صومال" (صومالیہ کی خود مختار مگر غیر تسلیم شدہ ریاست) کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تاکہ وہ بحیرۂ احمر تک ایک بحری راستہ حاصل کر سکے۔

جہاں تک ریاست سے منسلک جغرافیہ کی نوعیت کا تعلق ہے، تو اس میں کئی بنیادی نکات شامل ہیں: ریاست کا کل رقبہ، اس کی سرحدوں کی ساخت، ریاست کے اندرونی زمینی خدوخال، اور ریاست کی قدرتی ساخت۔ جہاں تک ریاستی سرحدوں کی نوعیت کا تعلق ہے، تو سرحدوں کے تعین کا کوئی یکساں قانون نہیں پایا جاتا، جس کے مطابق ریاستیں خود سرحدیں منتخب کریں یا ان پر مسلط کی جائیں۔ فطری طور پر، بہت سی ریاستیں ایسی حدود کی حامل ہوتی ہیں جو قدرتی مظاہر — جیسے پہاڑی سلسلے، دریا، یا سمندری ساحل — پر مبنی ہوتی ہیں۔ جبکہ بعض اوقات سرحدیں ہمسایہ ریاستوں کے ساتھ معاہدات کی بنیاد پر کھینچی جاتی ہیں، یا جنگی فتوحات یا شکستوں کے نتیجے میں پھیلتی یا سمٹتی ہیں۔ البتہ، جب سے موجودہ عالمی نظام وجود میں آیا ہے، قومی سرحدوں کو تقدس کا درجہ دے دیا گیا ہے، اور علاقائی توسیع کی کوششیں عالمی سطح پر ناپسندیدہ سمجھی جانے لگی ہیں۔ بصورتِ دیگر ان کے لیے لازمی طور پر ایسا جواز درکار ہوتا ہے جو

عوامی ارادے کی عکاسی کرے، جیسے الحاق یا علیحدگی۔ سرحدوں سے متعلق جغرافیہ کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ سرحدی علاقوں میں آبادی کی نوعیت کیا ہے؛ بعض سرحدیں دو مختلف اقوام کو الگ کرتی ہیں، جبکہ بعض سرحدیں ایک ہی قوم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتی ہیں، جہاں ہر حصہ الگ الگ ریاستوں کے زیر اثر ہوتا ہے۔ یہ بات سرحدوں کے استحکام اور ان کی نفوذ پذیری کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے، یعنی آیا دونوں طرف کے لوگ ایک دوسرے سے منسلک ہیں یا الگ تھلگ۔ اسی طرح یہ جاننا بھی اہم ہے کہ کون سی ریاستیں کس خاص ریاست کی سرحد سے متصل ہیں، اور ان کا عالمی مقام کیا ہے؛ یہ عوامل اس امر پر اثر انداز ہوتے ہیں کہ آیا تعلقات دوستانہ ہوں گے یا مسابقتی، دشمنی پر مبنی ہوں گے یا تابع داری کی شکل اختیار کریں گے، یا ریاست ان ہمسایہ علاقوں کو اپنے "حیاتی دائرہ اثر" (vital space) کے طور پر دیکھے گی۔

جہاں تک قدرتی ساخت کا تعلق ہے تو یہ ریاست کے ماحول، اور اس کی جغرافیائی حدود میں موجود وسائل سے متعلق ہے۔ ریاست کا وافر آبی وسائل پر مشتمل ہونا اس کی آبی سلامتی کے لیے ایک اہم معاملہ ہے، اور زیر زمین آبی ذخائر کا خشک ہونا ریاست کے لیے خطرناک اشارہ ہے۔ اور تیل اور معدنی دولت ریاستوں میں ایک اہم عامل ہے جو انہیں توانائی اور صنعت کے شعبوں میں خود کفیل ہونے میں مدد کرتا ہے، بلکہ ان وسائل کے ذریعے ریاست کی دوسروں پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح ریاست میں موجود سمندری وسائل چاہے وہ معدنی ہوں یا مچھلیوں پر مشتمل ہوں، اس کی دولت اور غذائی تحفظ میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ زمین کی زرخیزی اور اس کے مقابلے میں صحراؤں کا پھیلاؤ ریاست کی اصل معاشی قوت، یعنی اس کی پیداواری صلاحیت کا تعین کرتا ہے بلکہ یہ عوام کے رویّوں اور فطرت پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔

جہاں تک ریاست کے رقبے کا تعلق ہے تو رقبے کی وسعت کئی حوالوں سے اہمیت رکھتی ہے۔ ایک تو رقبے کی وسعت کا آبادی سے تعلق ہے، دوسرا رقبے کا دولت سے تعلق ہے، اور تیسرا ریاست کی اسٹریٹیجک گہرائی سے تعلق ہے۔ یہ آخری پہلو کسی بھی ریاست کے دفاع کے لیے انتہائی اہم ہوتا ہے، خاص طور پر جب ریاست بیرونی حملے کا سامنا کرے۔ اگر ریاست کا رقبہ بڑا ہو، تو دشمن کے لیے مکمل کنٹرول حاصل کرنا ایک سست، پیچیدہ، اور بعض صورتوں میں ناممکن عمل بن جاتا ہے خاص طور پر اس صورت میں جب دشمن کا حملہ محض مرکزی کمانڈ سینٹر پر نہ ہو، بلکہ مکمل زمینی قبضے کی کوشش ہو۔ جہاں تک اندرونی زمینی خدوخال کا تعلق ہے، تو وہ ریاست کے لیے قدرتی اندرونی دفاعی خطوط پیدا کرتی ہیں بشرطیکہ وہ ناہموار زمین ہو۔ اس کے برعکس اگر زمین ہموار ہو، تو یہ دفاع کے لیے کم موزوں ہوگی۔ اس کے ساتھ ساتھ زمینی خدوخال کا تنوع ریاست میں پیداوار کے تنوع میں بھی مدد کرتا ہے۔ مثال کے طور پر روس میں واقع اورال کے پہاڑی سلسلے نے ایک قدرتی رکاوٹ کا کردار ادا کیا، جس کے پیچھے ایک وسیع خطہ مشرق کی طرف پھیلا ہوا ہے۔ یہ خطہ ان حملوں کے خلاف روس کی حفاظت کرتا ہے جو اس کے مغربی حصے، یعنی دارالحکومت ماسکو کے اردگرد کے علاقے، پر کیے

گئے۔ اس کے برعکس، مشرقی یورپ میں واقع یورپی میدانی علاقہ جنگوں کے لیے ہمیشہ ایک گزر گاہ رہا ہے، اور تہذیبی تصادم کا میدان بھی۔

یہ بات بھی نہایت اثر رکھتی ہے کہ ریاستیں بری گزر گاہوں اور نقل و حمل کے راستوں پر واقع ہوں، مثلاً ترکی کا محلِ وقوع ایشیا اور یورپ کے درمیان ایک زمینی پُل کی حیثیت رکھتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ایشیا اور یورپ کے درمیان تجارتی شاہراہیں ترکی سے ہو کر گزرتی ہیں۔ اسی طرح وہ ممالک جو قدیم شاہراہِ ریشم اور چین کی حالیہ "بیلٹ اینڈ روڈ انیشی ایٹو" کے راستے میں واقع ہیں — جیسے چین، قازقستان، روس، بیلاروس، پولینڈ، اور جرمنی — تو ان کی جغرافیائی پوزیشن نے وہاں عظیم منصوبوں کی بنیاد رکھی، جیسے ریلوے نیٹ ورکس، زمینی بندرگاہیں، اور تیل و گیس کی پائپ لائنز۔

دوسری طرف، آبادی بھی ریاست کی قوت کا ایک نہایت اہم عنصر ہے، اور اس کا مطالعہ مختلف زاویوں سے کیا جاتا ہے: پہلا زاویہ آبادی کی تعداد اور شرح نمو کا ہے؛ دوسرا زاویہ آبادی اور رقبے کا تقابلی جائزہ ہے، یعنی آبادی کی کثافت؛ تیسرا زاویہ عمرانی ساخت سے متعلق ہے، اور چوتھا زاویہ قوموں کی فطرت اور مزاج سے وابستہ ہے۔ وہ ریاستیں جو بین الاقوامی سطح پر اعلیٰ مقام حاصل کرنا چاہتی ہیں، وہ اپنی آبادی بڑھانے کی جانب پیش قدمی کرتی ہیں۔ یہ یا تو اس طرح کیا جاتا ہے کہ اندرونِ ملک شرحِ پیدائش کو بڑھایا جائے، اور ہر اضافی بچے پر مالی یا سماجی مراعات دی جائیں جس سے پیدائش کی شرح میں اضافہ ہو؛ یا پھر باہر سے مہاجرین لا کر آبادی میں کمی کو پورا کیا جائے، اور اس مقصد کے لیے ایسی مراعات دی جائیں جو مہاجرین کو راغب کریں۔ یہ سب اقدامات اقتصادی ترقی کو سہارا دیتے ہیں، ریاست کو "نابود ہونے" (extinction) کے خطرے سے بچاتے ہیں، اور ریاست کو اتنی افرادی قوت مہیا کرتے ہیں کہ وہ بڑے بڑے منصوبوں میں پیش قدمی کر سکے، خواہ ان میں وہ منصوبے بھی شامل ہوں جن کے لیے انسانی جانوں کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑے، چاہے تیاری کی صورت میں یا جنگی نقصانات کی صورت میں۔ جہاں تک آبادی کی کثافت کا تعلق ہے تو یہ انسانی اور اقتصادی طور پر ریاست کی طاقت کا اشارہ ہے، کیونکہ آپ دنیا کے بڑے شہروں میں دیکھتے ہیں کہ وہ ایسے شہر ہیں جہاں بہت زیادہ اقتصادی مواقع یا وافر وسائل یا مالی سرگرمی یا سیاسی مراکز دستیاب ہوں۔ اور آبادی کی عمرانی ساخت معاشروں میں بوڑھوں یا جوانوں کو ظاہر کرتی ہے۔ بوڑھوں کی نسبت جوانوں میں پیداوار بڑھانے اور لڑنے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے۔

آج کے دور میں توانائی اور ٹیکنالوجی ریاست کی طاقت کے بنیادی ستون بن چکے ہیں، خاص طور پر ان ریاستوں کے لیے جو بین الاقوامی سطح پر بلند مقام رکھتی ہیں، یا اس کے حصول کی خواہاں ہیں۔ توانائی اور ٹیکنالوجی آپس میں باہم جُڑے ہوئے عناصر ہیں۔ توانائی کو اگرچہ ریاستی وسائل کے زُمرے میں شمار کیا جاتا ہے، لیکن اس کا ایک الگ درجہ بھی قائم کیا جا سکتا ہے۔ توانائی کا مطالعہ دو زاویوں سے کیا جا سکتا ہے: ایک، یہ دیکھنا کہ آیا ریاست کے پاس فوسل فیول (تیل، گیس، کوئلہ) یا جوہری توانائی کے خام وسائل

دستیاب ہیں یا نہیں؛ دوسرا، یہ کہ ریاست ان توانائی وسائل سے استفادہ کیسے کرتی ہے۔ یعنی کیا وہاں تیل کے کنویں، ریفائنریاں اور نیوکلیئر ری ایکٹرز موجود ہیں؟ ان نیوکلیئر ری ایکٹرز میں افزودگی کی سطح کیا ہے؟ کیا ان منصوبوں پر خود ریاست کا کنٹرول ہے، یا ریاست نے ان کے استعمال کے اختیارات کسی اور ریاست کو دے رکھے ہیں؟۔ دوسری جانب، ٹیکنالوجی بھی مختلف اقسام کی ہوتی ہے؛ کچھ اقسام معمولی ہوتی ہیں جن کا ریاست کی عالمی پوزیشن پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا؛ جبکہ بعض ٹیکنالوجیز ریاست کی طاقت کا بنیادی عنصر بن جاتی ہیں۔ مثلاً: فولاد سازی اور بھاری صنعت کی ٹیکنالوجی، الیکٹرانکس اور سیمی کنڈکٹرز کی ٹیکنالوجی، مصنوعی ذہانت (AI) جو کہ عسکری اور جاسوسی میدانوں میں استعمال ہوتی ہے، ہوابازی اور سیٹلائٹ کی ٹیکنالوجی۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ تائیوان میں سیمی کنڈکٹرز کی صنعت پر "اجارہ داری" نے اسے عالمی سطح پر مؤثر بنا دیا ہے، یعنی درحقیقت امریکہ نے دنیا پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا کیونکہ تائیوان کی حکومت امریکی حمایت یافتہ ہے، اور تائیوان کے چِپس میں استعمال ہونے والے آپریٹنگ سسٹمز امریکی ہیں۔ مزید یہ کہ، امریکہ نے اس ٹیکنالوجی کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لیے ان کمپنیوں کو بھاری مالی امداد فراہم کی ہے جو اس شعبے میں امریکہ کے اندر کام کر رہی ہیں جیسے انٹیل (Intel) کمپنی، جو ایریزونا، اوہائیو، نیو میکسیکو، اور اوریگون میں چپ سازی کے منصوبے چلا رہی ہے، اور TSMC، یعنی تائیوان کی سب سے بڑی چِپ ساز کمپنی، جس کے دو کارخانے فینکس کے قریب زیرِ تعمیر ہیں (الجزیرہ، 28 جنوری 2024)۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا تاکہ یہ اہم صنعت مکمل طور پر امریکی کنٹرول میں رہے۔ مزید برآں، چِپس کی سافٹ ویئر انجینئرنگ پر بھی امریکہ کی برتری قائم ہے، اور وہ اس میدان میں پوری دنیا سے آگے ہے، جس کی بدولت اس کا عالمی اثر و رسوخ مزید بڑھ گیا ہے۔ ایک اور مثال یہ ہے کہ روس نے میزائل سازی میں جو ترقی حاصل کی، اس نے جنگوں میں ایک نیا توازن قائم کیا۔ روس کے کِنژال (Kinzhal) اور آوَرِشنِک (Avangard) جیسے ہائپرسونک میزائل، اس کی عسکری قوت کی علامت بن چکے ہیں۔ اسی طرح جاسوسی کی صنعت میں امریکہ نے غیر معمولی ترقی کی ہے حتیٰ کہ سرد جنگ کے دور میں، اس نے ایسے طیارے بنا لیے تھے جو اتنی بلندی پر پرواز کرتے کہ ریڈار انہیں نہیں پکڑ سکتا تھا، اور ان میں ایسی اعلیٰ درجے کے کیمرے نصب ہوتے تھے جو دشمن کے مقامات کی انتہائی واضح تصویریں کھینچ سکتے تھے۔ بعد ازاں، امریکہ نے جاسوسی سیٹلائٹس تیار کیے جن میں انتہائی حساس کیمرے لگے ہوتے تھے، اور آج یہ سب کچھ مزید جدید ہو چکا ہے کیونکہ تصویری تجزیہ، چہرہ شناسی، اور نیٹ ورک سیکیورٹی میں جو پیش رفت ہوئی ہے اس نے جنگ کو ایک نئے دور میں داخل کر دیا ہے جہاں فوجیں اب "سائبر ہیکرز" پر مشتمل ہو چکی ہیں۔ یہ تمام پہلو اگرچہ جدید نقشوں پر عموماً درج نہیں ہوتے، لیکن جس طرح ریاست کے قدرتی وسائل اور تیل و گیس کے ذخائر کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اسی طرح ان پہلوؤں پر بھی باریک بینی سے نظر رکھنی چاہیے۔

یہ ایک مختصر خاکہ تھا ان متعدد پہلوؤں کا جنہیں نقشہ دیکھتے وقت سمجھنا ضروری ہے۔ یہ یاد رہے کہ ان میں سے بعض عناصر، ریاست کی طاقت کے اظہار میں دوسروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ اثر رکھتے ہیں۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا

قاعدہ موجود نہیں جو یہ طے کرے کہ کن خصوصیات کی موجودگی سے ایک ریاست، دوسری ریاست سے زیادہ طاقتور بن جائے گی۔ بلکہ اصل اہمیت ریاست کی مجموعی جغرافیائی-سیاسی حیثیت کی ہوتی ہے، اور فیصلہ ہمیشہ مجموعی عوامل کو دیکھ کر کیا جاتا ہے نہ کہ کسی ایک انفرادی وصف پر۔

(جاری ہے...)

فہرست

عاصم منیر کی سخت گیر پالیسی: پاکستان کو چھوڑ کر دیگر ریاستوں کو ابھرنے کا موقع فراہم کر رہی ہے!

عبدالمجید بھٹی

پاکستان اور افغانستان ایک بار پھر جنگ کے دہانے پر آ کھڑے ہوئے ہیں، جس نے چین کی جانب سے فروغ دی جانے والی جنگ بندی کی کوششوں کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ پاکستان عرصۂ دراز سے افغانستان پر یہ الزام عائد کرتا چلا آیا ہے کہ وہ تحریکِ طالبان پاکستان (ٹی ٹی پی) کو اور پاکستانی انٹیلی جنس سے وابستہ ایسے عناصر کو پناہ دے رہا ہے جو پاکستانی سرزمین پر حملے کرتے ہیں — تاہم طالبان حکومت ان دعووں کو یکسر مسترد کرتی چلی آ رہی ہے۔ دوسری طرف، کابل کا الزام ہے کہ اسلام آباد بلاجواز فوجی کارروائیاں کر کے افغان شہریوں کو ہلاک کر رہا ہے، جبکہ پاکستان اپنے دفاع میں یہ مؤقف رکھتا ہے کہ وہ صرف دہشت گردوں کو نشانہ بناتا ہے۔

تاہم، اس کھیل کے مہرے محض سرحدی جھڑپوں تک محدود نہیں ہیں۔ امریکہ کی سرپرستی میں اسلام آباد خود کو ایران، مصر، ترکی اور خلیجی ممالک پر مشتمل ایک نئے علاقائی سکیورٹی ڈھانچے کے مرکز کے طور پر پیش کرنے کا خواہاں ہے، جس کا مقصد وسیع تر یوریشیا میں اقتصادی و اسٹریٹیجک روابط بڑھانا ہے۔ حالانکہ اس قسم کے عزائم کی تکمیل کے لئے مضبوط ساکھ، مستحکم سرحدیں اور قابلِ اعتماد علاقائی تعلقات ناگزیر ہوتے ہیں، نہ کہ ایک ایسی مغربی سرحد جو مسلسل بدامنی کا شکار ہو۔ حالیہ کشیدگی ایک بنیادی سوال کھڑا کرتی ہے: کیا پاکستان اپنے پڑوس کو سیاسی طور پر سنبھالنے کی صلاحیت کھو چکا ہے، اور اب معاملات کو چلانے کے لئے صرف جبر، بداعتمادی اور جغرافیائی سیاسی رقابت ہی واحد راستہ رہ گئے ہیں؟

پاک–افغان تعلقات کے اس بگاڑ کا ایک بڑا حصہ جنرل عاصم منیر کے دورِ قیادت میں رونما ہوا ہے۔ نومبر 2022ء میں آرمی چیف جنرل قمر جاوید باجوہ کے بعد کمان سنبھالنے کے بعد سے، جنرل عاصم منیر نے افغانستان کے حوالے سے تیزی سے بڑھتی ہوئی ایک سخت گیر سکیورٹی پالیسی اختیار کر رکھی ہے۔

افغان مہاجرین کی بڑے پیمانے پر بے دخلی، 2,670 کلو میٹر طویل ڈیورنڈ لائن پر سرحدی کنٹرول کی کڑی سختیاں، اور ٹی ٹی پی کے نیٹ ورک کے خلاف یکے بعد دیگرے فوجی آپریشنز، یہ اقدام سیاسی سفارت کاری کے بجائے طاقت اور جبر کے استعمال کی ترجیح کو ظاہر کرتے ہیں۔

عاصم منیر کی یہ سکیورٹی پر مبنی منطق صرف مغربی سرحد تک ہی محدود نہیں ہے۔ مئی 2025ء میں، اپنی سرزمین پر بلا جواز اشتعال انگیز حملوں کے بعد پاکستان بھارت کے ساتھ ایک تنازعہ میں الجھ گیا، اور اس کشیدگی میں پاکستان اپنے روایتی حریف پر فضائی برتری حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ اس صورتحال نے بھارت کو مجبور کر دیا کہ وہ امریکی ثالثی کے ذریعے جنگ بندی کی راہ تلاش کرے۔ اس بالواسطہ فتح نے ڈونلڈ ٹرمپ کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ عاصم منیر کو ایران کے خلاف امریکہ کی ناکام جنگ کو ایک سیاسی کامیابی میں بدلنے کے لئے ایک بڑا کردار سونپے — جس کے لئے ایک نئے علاقائی سکیورٹی اور اقتصادی فریم ورک کی راہ ہموار کرنا ہے تاکہ مشرقِ وسطیٰ میں امریکی اثر و رسوخ کو برقرار رکھا جا سکے۔

پاکستان نے اسی سکیورٹی منطق کا اطلاق اپنے داخلی معاملات پر بھی کیا ہے، جس کے نتیجے میں بلوچستان، خیبر پختونخوا اور حال ہی میں پاکستان کے زیرِ انتظام کشمیر میں بھی سکیورٹی کریک ڈاؤن میں خاصی شدت آ گئی ہے۔ اگرچہ یہ چیلنجز موجودہ فوجی قیادت کے دور سے پہلے کے ہیں، لیکن پاکستانی ریاست کے بڑھتے ہوئے پرتشدد ردِ عمل نے عوام کے حقیقی تحفظات کو دور کرنے کے بجائے ان کی محرومیوں اور غصے کو مزید ہوا دے دی ہے۔

داخلی مخالفین کو دبانے کے لئے ریاست کا طاقت کا استعمال کرنا، عاصم منیر کے دور میں پاکستان کی طاقت کی علامت نہیں، بلکہ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ شہریوں کی نظر میں ریاست کا جواز اور اس کی ساکھ تاریخ کی کم ترین سطح پر پہنچ چکی ہے۔ اور یہی رویہ اب سرحد پار کابل میں بھی پایا جاتا ہے، جہاں افغانستان — جسے کبھی پاکستان کی "اسٹریٹجک ڈیپتھ" سمجھا جاتا تھا — اب انتقامی جذبے کے ساتھ پاکستان کے خلاف صف آرا ہو چکا ہے۔

اور تیزی سے رونما ہوتی ان تبدیلیوں پر پاکستان کے دوستوں اور دشمنوں دونوں کی گہری نظر ہے۔ بھارت نے اپنے "اکھنڈ بھارت" کے نظریے کے حصول کی خاطر افغانستان کے ساتھ اپنے تعلقات بڑھا لئے ہیں۔ بھارت کا مقصد نہ صرف کابل اور اسلام آباد کے درمیان دراڑ کو مزید گہرا کرنا ہے، بلکہ افغان سرزمین کو استعمال کرتے ہوئے بلوچستان، خیبر پختونخوا اور پاکستان کے زیرِ انتظام کشمیر

پر پاکستان کے کنٹرول کو کمزور کرنا بھی ہے۔ بھارت پاکستان کو ایک باغی علاقے کے طور پر دیکھتا ہے جسے اس حد تک کمزور کر دیا جائے کہ وہ دوبارہ "بھارت ماتا" کا حصہ بننے پر مجبور ہو جائے۔ اس کے علاوہ پاکستان کو توڑنے کا خواہشمند ایک اور فریق بھی ہے، جو کہ یہودی وجود ہے، جو پاکستان کو مشرقِ وسطیٰ میں اپنے علاقائی عزائم کے لئے ایک بڑے خطرہ کے طور پر سمجھتا ہے۔ بھارت اور اسرائیل دونوں کو یہ مشترکہ خوف ہے کہ پاکستان کی مضبوطی ان کے وجود کے لئے ایک خطرہ ہے۔

جہاں تک روس کا تعلق ہے، اس نے باضابطہ طور پر افغانستان کی طالبان حکومت کو تسلیم کر لیا ہے اور حال ہی میں ان کے ساتھ ایک فوجی پارٹنرشپ کے معاہدے پر دستخط کیے ہیں۔ روس کا مقصد مسلح اسلامی گروہوں کو اپنی جنوبی سرحدوں سے دور رکھنا ہے تاکہ وسطی ایشیائی ریاستوں پر اس کا غلبہ قائم رہے اور وسطی ایشیا سے لے کر مشرقی یوکرین تک پھیلے "عظیم روس" کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کیا جاسکے۔ روس عاصم منیر کی ان کوششوں کی بھی شدید مخالفت کرتا ہے جو مشرقِ وسطیٰ میں امریکی بالادستی کو مزید مضبوط کرنے کے لئے ایک نیا سکیورٹی ڈھانچہ قائم کرنے کی شکل میں کی جارہی ہیں۔

جبکہ واشنگٹن اعلانیہ طور پر عاصم منیر کی ان کوششوں کی حمایت کر رہا ہے جن کا مقصد ایک ایسا امن معاہدہ تیار کرنا ہے جو ٹرمپ کو ایران پر سیاسی فتح دلا سکے، اور واشنگٹن نے افغانستان کی جانب سے پاکستانی سکیورٹی فورسز پر ہونے والے سرحد پار حملوں کی مذمت بھی کی ہے۔ تاہم، واشنگٹن اور عاصم منیر کے درمیان سیاسی تعلقات صرف قلیل مدتی مفادات پر مبنی ہیں، اور امریکہ کا طویل مدتی مقصد یہ یقینی بنانا ہے کہ پاکستان خطے میں اس کے لئے ایک کارآمد پارٹنر کے طور پر رہے، لیکن وہ "اکھنڈ بھارت" یا صیہونی وجود کے عزائم کے لئے ہرگز کوئی خطرہ نہ بنے۔ جب مناسب وقت آئے گا، تو عین ممکن ہے کہ امریکہ چین کا مقابلہ کرنے اور ایشیا بحرالکاہل خطے میں اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے بھارت کو مضبوط کرنے کی خاطر ایک کمزور پاکستان کو قربان بھی کر سکتا ہے۔

اس پورے منظرنامے میں چین شاید وہ واحد بڑی طاقت ہے جس کا حقیقی اسٹریٹجک مفاد پاکستانی ریاست کی طویل مدتی سکیورٹی اور بقا سے جڑا ہوا ہے۔ چین کے بیلٹ اینڈ روڈ انیشی ایٹو—بالخصوص اس کے فلیگ شپ منصوبے 'پاک چین اقتصادی راہداری (سی پیک)—کے تحفظ کے لئے پاکستان کا استحکام اور مضبوط رہنا انتہائی ضروری ہے۔ اقتصادی نقطۂ نظر سے ہٹ کر، چین پاکستان کو ایک ایسے اہم حصار کے طور پر دیکھتا ہے جو افغانستان سے انتہاپسندی کو اس کے اپنے علاقے سنکیانگ (مشرقی ترکستان) میں پھیلنے سے روکے، اور اس کے ساتھ ہی خطے میں بھارت کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کے خلاف ایک توازن فراہم کرے۔ چنانچہ، پاکستان کے لئے چین کی

حمایت ہونا کسی جذباتی وابستگی یا محض دوطرفہ تعلقات کی بنیاد پر نہیں ہے، بلکہ یہ چین کے اپنے طویل مدتی جغرافیائی سیاسی مفادات اور طاقت کے توازن کے حقیقت پسندانہ اندازوں پر مبنی ہے۔

جنرل عاصم منیر شاید یہ سمجھتے ہوں کہ ان کی داخلی اور خارجی سطح پر یہ سخت گیر سکیورٹی پالیسی ان کی اپنی دائمی عظمت کی بنیاد رکھ رہی ہے۔ مگر تلخ حقیقت یہ ہے کہ ان کے اس سخت گیر رویے نے پاکستان کی اپنی قیمت پر صرف دوسری ریاستوں کے لئے ہی عظمتیں حاصل کرنے کا راستہ ہموار کیا ہے۔ اس کے برعکس، ان کے لئے بہتر ہوتا کہ وہ سلجوقوں، غزنویوں، مغلوں اور ان کے بعد آنے والے افغان حکمرانوں کی حکمتِ عملی اپناتے — جنھوں نے اندرونی معاملات کو تدبر سے سنبھالا اور بیرونی طاقتوں کو مداخلت سے دور رکھ کر خطے میں اسلام کی عظمت و سربلندی کو یقینی بنایا۔

فہرست

اسلامی عقیدے کی انسانی فطرت (الفِطرۃ) کے ساتھ موافقت

خلیفہ محمد–اردن

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ "پس آپ یکسو ہو کر اپنا رُخ اس دین کی طرف قائم رکھیں، یہی اللہ کی وہ فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں۔ یہی سیدھا اور درست دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے" [سورۃ الروم؛30:30]

یہ مبارک آیت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی متعدد نشانیوں کے ذکر کے بعد آئی ہے؛ جن میں سے چند یہ ہیں: زِندہ کو مردہ سے نکالنا اور مردہ کو زِندہ سے نکالنا، زمین کو مر جانے (بنجر ہو جانے) کے بعد دوبارہ زِندہ کرنا (زرخیز کر دینا)، انسان کو مٹی سے پیدا کرنا، انسانوں کے لئے جوڑے بنانا تاکہ وہ ان کے پاس سکون حاصل کریں، اور میاں بیوی کے درمیان محبت و رحمت پیدا کرنا، آسمانوں اور زمین کی تخلیق، مختلف زبانوں اور رنگوں کا تنوع، رات کے وقت لوگوں کا سونا اور دن کے وقت اس کا فضل تلاش کرنا، اور یہ کہ وہ جَلَّ جَلَالُهُ ہمیں خوف اور امید کے طور پر بجلی کی کڑک دکھاتا ہے، اور آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے تاکہ زمین کو اس کے بنجر ہونے کے بعد زِندہ کرے، اور آسمانوں اور زمین کا اس کے حکم سے قائم رہنا، اور قیامت کے بعد ہمیں دوبارہ زِندہ کرنے پر اس جَلَّ جَلَالُهُ کی قدرت، اور یہ کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اسی کی ملکیت ہے اور تمام مخلوقات اس کی فرمانبردار ہیں، اور یہ کہ وہی جَلَّ جَلَالُهُ تخلیق کرتا ہے اور وہی اسے دوبارہ لوٹائے گا۔ یہ مبارک آیت، جس پر ہم بات کر رہے ہیں، حرفِ عطف "الفاء" (پس) سے شروع ہوتی ہے جو وضاحت کے لئے ہے (الفاء الفصیحۃ)، اور یہ اپنے بعد آنے والے کلام کو پہلے والے سیاق و سباق سے مفہوم کے ساتھ جوڑتی ہے۔ اس کا اشارۃً مفہوم یہ ہے: "اگر تم پچھلی آیات سے اللہ جَلَّ جَلَالُهُ کی قدرت اور عظمت کو جان چکے ہو، تو اب یکسو ہو کر اپنا رخ دین کی طرف موڑ لو" یہ انداز نہایت بلیغ اور مختصر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف اسی "الفاء" پر اکتفا فرمایا، جو اپنے اندر وہ مفہوم سموئے ہوئے ہے جو سیاق و سباق سے، یعنی اس سے پہلے بیان کی گئی متعدد آیات سے، خود بخود سمجھ میں آجاتا ہے۔

پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا اپنے رسول ﷺ کے لئے یہ حکم آیا کہ وہ اپنا رخ دینِ حق کی طرف موڑ لیں۔ اللہ جَلَّ جَلَالُهُ کا اپنے نبی ﷺ سے خطاب دراصل ان کی پوری امت سے خطاب ہوتا ہے، الا یہ کہ کوئی ایسی دلیل موجود ہو جو اسے صرف نبی ﷺ کے ساتھ مخصوص کرتی ہو۔ یہاں تخصیص کی ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے، لہٰذا اپنا رخ دینِ حق کی طرف موڑنے کا یہ حکم عام ہے جو رسول اللہ ﷺ اور ان کی امت دونوں کو شامل ہے۔ اس بات کی مزید تائید اس کے فوراً بعد آنے والی اس آیت سے ہوتی ہے: ﴿مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ "(اس حال میں کہ) اسی کی طرف رجوع کرنے والے

رہو، اور اس سے ڈرو، اور نماز قائم کرو، اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ" [سورۃ الروم؛ 30:31]۔ یہاں لفظ ﴿مُنِيبِينَ﴾ "اس کی طرف رجوع کرنے والے" جمع کے صیغے میں ہے، اور اس کے بعد آنے والے دو احکامات اور نہی (ممانعت کا حکم) پورے معاشرے (جماعۃ) سے مخاطب ہیں: یعنی ﴿وَاتَّقُوهُ﴾ "اور اس سے ڈرو"، ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ "اور نماز قائم کرو"، اور ﴿وَلَا تَكُونُوا﴾ "اور نہ ہو جاؤ [ان لوگوں میں سے جنہوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا]" یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سابقہ آیت میں رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا حکم صرف آپ ﷺ کے لئے ہی مخصوص نہیں، بلکہ پوری امت کے لئے عام ہدایت ہے۔

چہرے کو قائم کرنے یا سیدھا رکھنے کا حکم دینے سے مراد یہ ہے کہ چہرے کو بغیر کسی دائیں یا بائیں جانب موڑے، بالکل سیدھا اسی چیز کی طرف رکھنا جس کی طرف دیکھا جا رہا ہو۔ یہ دین کے لئے مکمل اور خالص لگن بطورِ استعارہ بیان کرنے کا ایک اسلوب ہے۔ چہرے کا قائم کرنا اور اس کا رخ متعین کرنا قرآنِ کریم میں ایک سے زیادہ مرتبہ ذکر ہوا ہے؛ جیسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے الفاظ کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے: ﴿إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾ "بے شک میں نے یکسو ہو کر اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا" [سورۃ الانعام؛ 6:79]۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا یہ ارشاد: ﴿وَأَقِيمُواْ وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ "اور ہر سجدے کے وقت اپنے رخ سیدھے (قبلہ کی طرف) رکھو، اور اسی کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے اسے پکارو" [سورۃ الاعراف؛ 7:29] اور اس کے علاوہ دیگر آیات میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔

لفظ ﴿الدِّينِ﴾ پر آنے والا معرفہ کا حرف "ال" اس مخصوص، متعین اور مشروع دین کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کا حکم اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے دیا ہے، یعنی وہ دین جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر وحی کے ذریعے نازل فرمایا۔

اور جہاں تک لفظ ﴿حَنِيفًا﴾ (یکسو، حق کی طرف مائل) کا تعلق ہے، تو 'الحنیف' کے لغوی معنی ہیں 'میلان اختیار کرنا'، یعنی باطل سے منہ موڑ کر حق کی طرف پوری طرح مائل ہو جانا۔ حق اور باطل ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے، اسی طرح ایمان اور کفر بھی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے، کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو خالق، رازق اور مدبرِ کائنات ماننے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس کے سوا ہر معبود، ہر باطل عقیدے اور ہر جھوٹے دعوے کا انکار کیا جائے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَمَن يَكْفُرْ بِٱلطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنۢ بِٱللَّهِ فَقَدِ ٱسْتَمْسَكَ بِٱلْعُرْوَةِ ٱلْوُثْقَىٰ﴾ **"پس جو شخص طاغوت (باطل معبودوں) کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے، تو یقیناً اس نے مضبوط سہارا تھام لیا" [سورۃ البقرۃ؛ 2:256]۔ اور ارشاد فرمایا:** ﴿فِطْرَتَ ٱللَّهِ ٱلَّتِي فَطَرَ ٱلنَّاسَ عَلَيْهَا﴾ "یہ اللہ کی پیدا کی ہوئی فطرت ہے جس پر اس نے نوعِ انسان کو پیدا کیا ہے" [سورۃ الروم؛ 30:30]۔ لفظ "الفِطرۃ" (فطرت) فعل "فَطَرَ" سے ماخوذ ہے جس کے معنی "تخلیق کیا گیا" کے ہیں۔ اسی سے اللہ جل جلالہ کا یہ فرمان ہے: ﴿ٱلْحَمْدُ

﴿ٱلۡحَمۡدُ لِلَّهِ فَاطِرِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ﴾ "تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو آسمانوں اور زمین کا فاطر ہے" [سورۃ فاطر؛ 35:1] یعنی آسمانوں اور زمین کا خالق۔ اس آیت میں الفطرۃ (فطرت) کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف تعظیم و تکریم کے لئے کی گئی ہے، کیونکہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عظیم نشانیوں میں سے ایک ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس نفس کی قسم کھائی ہے جس میں یہ فطرت ودیعت کی گئی ہے اور جسے اس نے متوازن اور درست بنایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿وَنَفۡسٍ وَمَا سَوَّاهَا * فَأَلۡهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقۡوَاهَا﴾ "اور نفس کی قسم اور جس نے اسے درست (تناسب کے ساتھ) بنایا، پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیز گاری اس پر الہام کر دی" [سورۃ الشمس؛ 91:7-8] پھر اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے انسان کی اس جبلی فطرت کو ان تمام چیزوں کی بنیاد قرار دے کر اس کی مزید توثیق فرمائی جن پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اور اس مقصد کے لئے حرفِ جر "علیٰ" (پر) کا استعمال فرمایا جو استعلاء (غلبے اور برتری) کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کی وجہ انسانوں پر اس فطرت کا وہ گہرا اثر ہے کہ گویا یہ ان کے اوپر غالب، مسلط اور ان کے اندر مضبوطی سے قائم و دائم ہے۔

یہاں فعل محذوف سمجھا جاتا ہے، یعنی مفہوم یہ ہے: "اس چیز کی پیروی کرو اور اسے مضبوطی سے اختیار کرو جس کا تقاضا تمہاری وہ فطرت کرتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا ہے، یعنی اپنا رخ اللہ کے دین کی طرف یکسو کر لو"۔ اس کے بعد اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس فطرت کے ثبات، دوام اور ناقابلِ تغیر ہونے کو واضح کرتے ہوئے فرمایا: ﴿لَا تَبۡدِيلَ لِخَلۡقِ ٱللَّهِۚ﴾ "اللہ کی خلق (بنائی ہوئی فطرت) میں کوئی تبدیلی نہیں" [سورۃ الروم؛ 30:30]، چنانچہ آدم علیہ السلام سے لے کر زمین پر آنے والے آخری انسان تک، تمام انسان اسی فطرت پر پیدا کیے گئے ہیں، اور یہ فطرت اپنی اصل حقیقت میں کبھی تبدیل نہیں ہوتی اور نہ ہی اپنی راہ سے ہٹتی ہے۔ یہ جبلی انسانی فطرت ہی وہ اندرونی میلان اور نفسیہ ہے جس پر نوعِ انسانی کو تخلیق کیا گیا ہے؛ اور اس کی بنیاد انسان کے اندر عجز (بے بسی) اور نقص (نہایت محتاج ہونے) کا قدرتی احساس ہے، جو صرف اور صرف خالقِ کائنات — اللہ سبحانہ وتعالیٰ — کی تعظیم و توقیر کو لازم اور ضروری بناتا ہے۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ﴿ذَٰلِكَ ٱلدِّينُ ٱلۡقَيِّمُ﴾ "یہی سیدھا اور درست دین ہے" [سورۃ الروم؛ 30:30]، تو یہاں اسمِ اشارہ ﴿ذَٰلِكَ﴾ (یہی) اس دین کی عظمت، امتیاز اور اس کی اہمیت کو مزید نمایاں کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ لفظ "القیّم" (سیدھا) ایک وصف ہے جو "فَيْعِل" کے وزن پر ہے، جیسے "هَيِّن" (آسان) اور "جَيِّد" (عمدہ)۔ یہ وزن اس صفت کی مضبوطی اور پختگی کو ظاہر کرتا ہے جو اس کے اندر موجود ہے۔ یہاں "القیّم" کو کجی اور ٹیڑھے پن کی نفی کے لئے بطورِ استعارہ استعمال کیا گیا ہے، جیسا کہ ان آیات میں آیا ہے: ﴿وَلَمۡ يَجۡعَل لَّهُۥ عِوَجَا ۜ قَيِّمًا﴾ "اور اس (کتاب) میں کسی قسم کی کجی نہیں رکھی، بلکہ اسے بالکل سیدھا اور درست بنایا" [سورۃ الکھف؛ 18:1-2] اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿ذَٰلِكَ ٱلدِّينُ ٱلۡقَيِّمُۚ﴾ "یہی سیدھا، مضبوط اور درست دین ہے" [سورۃ التوبۃ؛ 9:36]

جہاں تک اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَلَـٰكِنَّ أَكْثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ "لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"[سورۃ الروم: 30] کا تعلق ہے، تو یہ اکثر لوگوں —یعنی کفار اور مشرکین— کی اصل حقیقت کو واضح کرنے کے لئے ایک بیان ہے، جو اپنے دنیوی امور میں مشغول ہیں اور اس علم سے غافل ہیں جو انہیں سچے دین کی تفہیم تک لے جاتا ہے۔ یہ بات قرآنِ کریم کے متعدد مقامات پر اکثر لوگوں کے لاعلم ہونے، بے اعتقاد ہونے اور ناشکرے ہونے کے اوصاف سے مطابقت رکھتی ہے۔

اس سیاق وسباق میں "الفِطرۃ" (فطرت) سے مراد انسان کے اندر رکھے گئے میلان کے وہ فطری اور جبلی تقاضے ہیں جن میں جسمانی حاجات مثلاً کھانے، پینے، سونے وغیرہ کی حاجت، اور تین بنیادی جبلتیں —جبلتِ تدین، جبلتِ بقا، اور جبلتِ نوع— اپنے مختلف مظاہر، اور ان سے متعلق احساسات اور میلان کے ساتھ شامل ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ» "ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی (آتش پرست) بنا دیتے ہیں" (صحیح ابن حبان، اور اسے بخاری و مسلم نے بھی روایت کیا ہے) اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ: وَإِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ، وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ، وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَا أَحْلَلْتُ لَهُمْ، وَأَمَرَتْهُمْ أَنْ يُشْرِكُوا بِي مَا لَمْ أُنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا»** "اللہ عزوجل نے فرمایا: 'میں نے اپنے تمام بندوں کو یکسو اور حق کی طرف مائل (حنفاء) پیدا کیا ہے، لیکن ان کے پاس شیاطین آئے اور انہوں نے انہیں ان کے دین سے بہکا دیا، اور ان کے لئے وہ چیزیں حرام کر دیں جو میں نے ان کے لئے حلال کی تھیں، اور انہیں حکم دیا کہ وہ میرے ساتھ شریک ٹھہرائیں جس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں'"

چنانچہ، انسانی فطرت (الفِطرۃ) کہ جس پر اسے پیدا کیا گیا ہے، خالص توحید اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور مکمل تسلیم ورضا کے ساتھ بالکل ہم آہنگ ہے؛ جس کا مطلب نوعِ انسانی کی محدودیت اور نقائص کا اعتراف کرنا، اور صرف اور صرف خالق ورازق کی تقدیس وتعظیم کرنا ہے۔ لہٰذا، عقیدے کی اصل بنیاد

انسانی فطرت کے مطابق ہے: یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحدانیت، اور عبادت وحاکمیت کو صرف اسی کے لئے خالص کرنا۔ یہی وہ مشترک اصول ہے جو تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی رسالتوں اور دعوت کا بنیادی پیغام رہا ہے۔

اور جہاں تک شریعت کے مقرر کردہ احکامات کا ذکر ہے، تو وہ انسان کی جسمانی ضروریات اور فطری جبلّتوں کے تقاضوں کو درست اور متوازن انداز میں پورا کرنے کے لئے نازل کیے گئے ہیں، تاکہ انسان حقیقی سعادت حاصل کر سکے۔ اسلام نہ تو ان خواہشات اور تقاضوں کو بے لگام چھوڑ دیتا ہے، اور نہ ہی انہیں مکمل طور پر دبا دیتا ہے۔ بلکہ اسلام کا فلسفۂ حیات اس اصول پر قائم ہے کہ مادی اور روحانی پہلو ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ رہیں۔ چنانچہ انسان اپنی مادی ضروریات اور دنیاوی اعمال انجام دیتا ہے، لیکن انہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ

کے احکام ونواہی کا پابند بنا کر انجام دیتا ہے۔ اس طرح اس کے اعمال میں روحانی پہلو بھی پیدا ہو جاتا ہے، خواہ بعض اوقات شریعت کے یہ احکام اس کی نفسانی خواہشات، طبعی میلانات یا ذاتی رغبتوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔

فہرست

آرتش (اسلامی جمہوریہ ایران کی مسلح افواج) اور پاسدارانِ انقلاب (IRGC) کے مابین باہمی اختلاف اور آپسی تعلق کی نوعیت، اور ان کے باعث پیدا ہونے

حسن حمدان

ایران میں 1979ء میں آنے والے انقلاب کے نتیجے میں اسلام پسندوں کے اقتدار پر آنے کے فوراً بعد آیت اللہ خمینی کے حکم پر پاسدارانِ انقلاب (IRGC) کا قیام عمل میں لایا گیا، تاکہ یہ نئی سیاسی حکومت کو اس کے اندرونی اور بیرونی مخالفین سے محفوظ رکھنے کا ایک ذریعہ بن سکے۔ ایران کے آئین میں یہ مقرر کیا گیا ہے کہ "پاسدارانِ انقلاب (IRGC) کا ادارہ، اس انقلاب اور اس کے مقاصد کے تحفظ میں اپنے کردار کی انجام دہی کے لئے مضبوطی سے قائم رہے گا"۔ آئین نے "ایمان اور عقیدے کو مسلح افواج کی تشکیل، تربیت اور تنظیم کی بنیاد قرار دیا" اس آئین نے اس بات پر بھی زور دیا کہ "مسلح افواج صرف ملک کی سرحدوں کے دفاع اور حفاظت کی ذمہ دار نہیں ہیں، بلکہ وہ اپنے ایمان پر مبنی مشن کی ذمہ داریوں کی بھی پابند ہیں، اور وہ مشن جہاد ہے"۔

پاسدارانِ انقلاب (IRGC) نے ایک نظریاتی ملیشیا کے طور پر آغاز کیا تھا، لیکن وقت کے ساتھ یہ ریاست کے سب سے بااثر اور طاقتور اداروں میں تبدیل ہو گیا ہے۔ اس کے پاس بے پناہ عسکری صلاحیتیں موجود ہیں، جبکہ اس کا اثر و رسوخ ملکی معیشت، انٹیلی جنس اور علاقائی سیاست تک پھیلا ہوا ہے۔ اسی تناظر میں فرانسیسی خبر رساں ادارے AFP کے مطابق، فرانس کی 'جین جورس فاؤنڈیشن (Jean Jaurès Foundation)' کے ایک محقق، ڈیوڈ خلفا (David Khalfa) نے پاسدارانِ انقلاب کو "سلطنت کے اندر موجود ایک اور سلطنت" قرار دیا ہے۔

ڈیوڈ خلفا مزید کہتے ہیں کہ یہ پاسدارانِ انقلاب (IRGC) ہی ہیں جو "عملی طور پر ایرانی معیشت پر کنٹرول رکھتے ہیں"۔ اور ان کے اندازے کے مطابق پاسداران انقلاب کا سالانہ بجٹ 6 سے 9 ارب امریکی ڈالر کے درمیان ہے، جو ایران کے سرکاری فوجی بجٹ کا تقریباً 40 فیصد بنتا ہے۔ جبکہ مختلف صحافتی تجزیے اس سے بھی آگے بڑھتے ہوئے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ پاسدارانِ انقلاب محض ایک مسلح فوج نہیں، بلکہ اپنی جگہ ایک مکمل معاشی قوت ہے۔ اس کی قیادت اس کے سب سے نمایاں شعبے، یعنی انجینئرنگ اور سرمایہ کاری کے ادارے، خاتم الانبیاء ہیڈ کوارٹر کے ہاتھ میں ہے، جبکہ اس کے ساتھ نیم سرکاری کمپنیوں کا ایک وسیع نیٹ ورک بھی وابستہ

ہے، جس کی مجموعی مالیت کا اندازہ ایران کی مجموعی قومی پیداوار (GDP) کے تقریباً نصف کے برابر لگایا جاتا ہے۔ مارچ 2025ء سے مارچ 2026ء کے سالانہ بجٹ (جو کہ ایرانی شمسی سال 1404ھ بنتا ہے) کے مطابق، یہ ادارے بجٹ میں سکیورٹی فورسز کے لئے مختص تیل کی برآمدات سے حاصل ہونے والی آمدنی کا نصف سے زیادہ حصہ اپنے اختیار میں رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ، ان کے روابط سپریم لیڈر کے دفتر سے وابستہ بڑے کاروباری و سرمایہ کاری کے اداروں سے بھی ہیں، جن کی مجموعی مالیت تقریباً 200 ارب امریکی ڈالر بتائی جاتی ہے۔

پاسدارانِ انقلاب کے قیام کی بنیادی وجہ آیت اللہ خمینی کا آرتش (اسلامی جمہوریۂ ایران کی مسلح افواج) پر عدم اعتماد تھا، حالانکہ انقلاب کے بعد اس فوج کو بڑی حد تک کھوکھلا اور کمزور کر دیا گیا تھا۔ تاریخی حقائق کے مطابق، 16 جنوری 1979ء کو شاہِ ایران ملک چھوڑ کر چلے گئے اور شاہپور بختیار کو وزیرِ اعظم مقرر کر گئے۔ اگرچہ آیت اللہ خمینی یکم فروری 1979ء کو جلاوطنی سے واپس آ چکے تھے، تاہم فوج کے سینئر افسران ابتدائی ایام میں شاہ کے وفادار رہے اور انقلاب کے خلاف اپنی شدید مخالفت پر قائم رہے۔

منظرِ عام پر آنے والی خفیہ دستاویزات سے یہ انکشاف ہوا تھا کہ آیت اللہ خمینی نے انقلابی تحریک کے عروج کے زمانے میں، جبکہ وہ عوامی طور پر واشنگٹن کے خلاف سخت بیانات بھی دے رہے تھے، انہوں نے جنوری 1979ء میں خفیہ طور پر امریکہ سے رابطہ بھی قائم کیا اور ایک پیغام بھیجا تھا کہ عوام تو ان کی بات سنتے ہیں جبکہ فوج امریکہ کی فرمانبردار ہی ہے۔ خمینی نے واشنگٹن سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ فوج کو غیر جانبدار رہنے اور انہیں اقتدار سنبھالنے دینے پر راضی کر لے، تو وہ خطے کے استحکام کو برقرار رکھیں گے اور امریکی مفادات کی ضمانت بھی دیتے ہیں۔

یورپ میں مقیم ایرانی کرد سیاسی کارکن آسو قادری کے مطابق، پاسدارانِ انقلاب (IRGC) اور ایرانی فوج (آرتش) کے درمیان کشیدگی اصلاحات یا سیاسی نظام کو تبدیل کرنے کی خواہش کا نتیجہ نہیں، بلکہ "اقتدار اور اثر و رسوخ کے لئے ایک شدید کشمکش" ہے۔ آسو قادری نے الحرہ ٹی وی سے گفتگو کرتے ہوئے مزید کہا: "نظریاتی طور پر تو مجتبیٰ خامنہ ای کو اسلامی جمہوریہ کے فیصلہ سازی کے عمل میں ایک نمایاں شخصیت تصور کیا جاتا ہے، لیکن عملی طور پر وہ اس طرح کا حتمی فیصلہ کن کردار ادا نہیں کر رہے جیسا کہ ان کے والد کا مقام اور کردار رہا تھا۔ اس صورتحال نے طاقت کے حقیقی مراکز کو ایک ایسے سکیورٹی اور فوجی نیٹ ورک میں منتقل کر دیا

ہے جس میں اثر و رسوخ کے متعدد حلقے بیک وقت ایک دوسرے سے مقابلہ بھی کرتے ہیں اور تعاون بھی، کیونکہ پاسدارانِ انقلاب ریاست کے تمام اداروں پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کی کوشش کر رہا ہے"۔

ایرانی روزنامے 'جمہوری اسلامی' نے کچھ عرصہ قبل ایک ایسا چبھتا ہوا سوال اٹھا دیا تھا جس پر بات کرنا ہی دہائیوں سے ایک ممنوعہ موضوع سمجھا جاتا تھا، کہ "کیا ریاست اب بھی دو افواج – آرتش اور پاسدارانِ انقلاب – کے اخراجات برداشت کرنے کے قابل ہے؟"

اخبار نے نشاندہی کی کہ پاسدارانِ انقلاب کا معیشت، سیاست، سفارت کاری اور ذرائع ابلاغ میں بڑھتا ہوا اثر و رسوخ اسے ایک ایسے دھڑے دار (Factional) ادارے میں تبدیل کر چکا ہے جو اندرونِ ملک مسلسل تنازعات کو جنم دے رہا ہے، جبکہ خارجی سطح پر بین الاقوامی دباؤ کے لئے ایک مستقل جواز بھی فراہم کر رہا ہے۔ اخبار کے مطابق، دو الگ الگ افواج کا وجود کبھی بھی محض عسکری ضرورت یا دفاعی کفایت کا مسئلہ نہیں تھا، بلکہ یہ حکومت کی بقا کے لئے اختیار کی گئی ایک واضح حکمتِ عملی تھی: یعنی ایک طرف ایک روایتی فوج ہو جو ملکی سرحدوں کا دفاع کرے، اور اس کے ساتھ ایک متوازی نظریاتی قوت ہو جو اسی فوج پر نظر رکھے، معاشرے کو کنٹرول کرے، اور مختلف سیاسی دھڑوں کے درمیان طاقت کے توازن کو برقرار رکھے۔ اگرچہ تاریخی طور پر آیت اللہ خمینی نے مستقبل میں ان دونوں افواج کو ضم کرنے کے امکان کو تسلیم کیا تھا، اور سابق صدر ہاشمی رفسنجانی نے بھی دونوں کی وزارتوں کو یکجا کر کے ایک واحد وزارتِ دفاع قائم کرنے کی کوشش بھی کی تھی، تاہم عملی سطح پر ان دونوں افواج کا انضمام کبھی مکمل نہ ہو سکا، اور یہ منصوبہ آج تک تعطل کا شکار ہے۔

گرچہ پاسدارانِ انقلاب کو 'ریاست کے اندر موجود ایک اور ریاست' کے طور پر بیان کیا جاتا ہے، تاہم باریک بینی سے تجزیہ کیا جائے تو اسے تین ایسے مخالف گروپوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، جو ایک ہی یونیفارم پہنے ہوئے ہیں: 1) کٹر اصولی و نظریاتی دھڑا: جو کہ ولایتِ فقیہ کے براہ راست تابع ہے، تاہم اندرونی سیاسی تبدیلیوں کے باعث اس کا اثر و رسوخ نسبتاً کمزور پڑ چکا ہے۔ 2) پیشہ ورانہ فوجی ڈھانچہ: جو نظریاتی طور پر شہادت اور مسلح طور پر سامنا کرنے کے فلسفے پر قائم ہے۔ 3) مالی اشرافیہ: ایک ایسا طاقتور طبقہ ہے جس کی طاقت باہمی مفادات کے مضبوط روابط، اپنے اثر و رسوخ کو برقرار رکھنے کی کوشش، اور سیاسی جوڑ توڑ پر قائم ہے۔

یوں اس داخلی تشکیل نے ایک بنیادی تضاد کو جنم دیا ہے جہاں ایک طرف ملٹری ڈاکٹرائن کو دیکھا جائے تو وہ محاذ آرائی، جنگ اور آخری حد تک لڑ جانے پر زور دیتا ہے، جبکہ دوسری طرف مالی اشرافیہ کا رجحان بقا کی ایسی حکمتِ عملی کی طرف ہے جو اپنے معاشی مفادات کے تحفظ کے لئے مذاکرات، حالات سے مطابقت پیدا کرنے اور ضرورت پڑنے پر سمجھوتے یعنی رعایتیں دینے کو بھی قبول کرتی ہے۔

یہ دوہراپن موجودہ منظرنامے میں واضح طور پر جھلکتا نظر آتا ہے، جہاں 'ایران انٹرنیشنل' جیسی میڈیا رپورٹس، ایک طرف مسعود پزشکیان کی قیادت میں حکومت کے انتظامی و ایگزیکٹو ونگ اور دوسری طرف پاسدرانِ انقلاب کے بااثر فوجی و سکیورٹی رہنماؤں اور ان کے اتحادیوں جیسا کہ احمد وحیدی اور سینئر فوجی کمانڈروں کے درمیان شدید اختلافات کی نشاندہی کرتی ہیں۔ اور ان کے درمیان اس تنازع کا بنیادی محور یہودی وجود اور امریکہ کے ساتھ جاری علاقائی کشیدگی کے معاشی اور سماجی اثرات ہیں۔

ایک طرف جہاں پزشکیان کی قیادت میں سول حکومتی ونگ عوامی معاشی و سفارتی بحرانوں کی شدت کو کم کرنے کے لئے انتظامی اور ایگزیکٹو اختیارات کا حکومت کو واپس کرنے کا مطالبہ کر رہا ہے، وہیں دوسری طرف پاسدرانِ انقلاب کی سکیورٹی قیادت اس بات پر مُصر ہے کہ علاقائی کشیدگی سے متعلق حکمت عملی اور مالی معاملات کی نگرانی اور انتظام انہی کے اختیار میں برقرار رہے۔

یوں اس طرح ملکی سطح پر فیصلہ سازی اور کمان کے متعدد مراکز کا وجود ہونا ایرانی حکومت کے ڈھانچے میں ایک بنیادی اور بڑی کمزوری کو ظاہر کرتا ہے، خصوصاً ایسے حالات میں جب مغربی اور یہودی انٹیلی جنس ادارے وسیع پیمانے پر سکیورٹی دراندازی کرنے میں کامیاب رہے ہیں، جس کی نمایاں مثال پاسدرانِ انقلاب کی پہلی صف کے متعدد لیڈران کی پے درپے ٹارگٹ کلنگز ہیں، جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ سکیورٹی کے میدان میں واضح کمزوریاں موجود ہیں۔ اور یہ صورتحال اندرونِ ملک اس تقسیم کو مزید گمبھیر کر رہی ہے جو ایک طرف سخت گیر نظریاتی دھڑے اور دوسری طرف ایسے عملیت پسند (Pragmatic) اور حقیقت پسند (Realist) دھڑے کے درمیان پائی جاتی ہے، جو حکومت کی بقا اور تسلسل کو یقینی بنانے کے لئے مفاہمت اور سمجھوتوں کا راستہ اختیار کرنے کا خواہاں ہے۔

فہرست

کیا امریکی قومی قرضہ امریکی ڈالر کی عالمی بالادستی کے خاتمے کا سبب بن رہا ہے؟

نبیل عبدالکریم

گزشتہ آٹھ دہائیوں سے زائد عرصے سے، ڈالر صرف امریکہ کی قومی کرنسی کے طور پر ہی نہیں رہا، بلکہ یہ عالمی مالیاتی نظام کی ریڑھ کی ہڈی بن چکا ہے۔ اسی ڈالر کے ذریعے سے زیادہ تر تیل اور اشیاء کی تجارت کی قیمتیں مقرر کی جاتی ہیں، مرکزی بینک کے ذخائر کا بڑا حصہ سنبھالا جاتا ہے، بین الاقوامی ادائیگیوں کا لین دین ہوتا ہے، اور عالمی منڈیوں میں اثاثوں کی قدر کا تعین بھی اسی ڈالر کے ذریعے سے کیا جاتا ہے۔

اس صورتحال نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو ایک ایسا استثنائی حق عطا کر دیا ہے جس سے جدید تاریخ کی کسی دوسری معاشی طاقت نے فائدہ نہیں اٹھایا، یعنی اپنے خسارے کو پورا کرنا اور اپنی قومی کرنسی میں اپنے قرضے کو جاری کرنا، جبکہ ڈالر اور امریکی ٹریژری بانڈز کی مسلسل عالمی مانگ قائم رہے۔

تاہم، اقتصادی تاریخ کا مطالعہ ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ کسی کرنسی کی بالادستی ہمیشہ قائم نہیں رہتی۔ برطانوی پاؤنڈ اسٹرلنگ نے عالمی مالیاتی نظام کی قیادت میں ڈالر سے پہلے قدم رکھا تھا، لیکن برطانوی سلطنت کی معاشی اور مالیاتی طاقت میں کمی کے ساتھ ہی اس پاؤنڈ نے تدریجی طور پر اپنا مقام کھو دیا۔ اگرچہ پاؤنڈ اسٹرلنگ کی بالادستی کبھی اس سطح تک نہیں پہنچی جو دوسری جنگ عظیم کے بعد سے ڈالر نے حاصل کرلی ہے، لیکن یہ تجربہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ کسی بھی کرنسی کی طاقت بالآخر اس کے پیچھے موجود معیشت کی طاقت سے جڑی رہتی ہے۔

اگرچہ ابھی تک، ڈالر کے فوری خاتمے کے کوئی حتمی اشارے موجود نہیں ہیں، لیکن ڈالر کو ایسے چیلنجوں کا سامنا ہے جن کی مثال دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد سے نہیں ملتی۔ امریکی عوامی قرضوں کی مسلسل اضافہ، دائمی مالیاتی خسارہ، اور اس قرض کی ادائیگی کی تیزی سے بڑھتی ہوئی لاگت — ان تمام عوامل نے ممالک کی ایک بڑی تعداد کو امریکی کرنسی پر اپنے انحصار پر دوبارہ غور کرنے پر مجبور کرنا شروع کر دیا ہے۔

عالمی مالیاتی فنڈ (IMF) کے اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ اس صدی کے بدلنے کے ساتھ ساتھ حالیہ برسوں میں عالمی زرمبادلہ کے ذخائر میں ڈالر کا حصہ گر کر 57 فیصد رہ گیا ہے جو کہ گزشتہ صدی میں 70 فیصد سے زیادہ تھا۔ اگرچہ ڈالر کا یہ حصہ اب بھی تمام دیگر کرنسیوں کے مقابلے میں ایک بڑے فرق کے ساتھ اعلیٰ ترین مقام کو برقرار رکھے ہوئے ہے، تاہم یہ کمی مرکزی بینکوں کی پالیسیوں میں اپنے ذخائر میں تنوع لانے کی سمت ایک تدریجی تبدیلی کی عکاسی کرتی ہے۔

لہٰذا اسی لئے، دنیا بھر کے مرکزی بینکوں نے سونے کی خرید میں شدت پیدا کر دی ہے۔ ورلڈ گولڈ کونسل کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ جب سے جدید ریکارڈ مرتب کرنے کا آغاز ہوا ہے تب سے 2022ء اور 2023ء کے دوران سونے کی سرکاری خرید کی اعلیٰ ترین سطح دیکھی گئی ہے، اور یہ رجحان 2024ء اور 2025ء میں بھی جاری رہا۔

اعداد و شمار درج ذیل نکات کو ظاہر کرتے ہیں:

-سال 2022ء: 1,082 ٹن (ایک تاریخی ریکارڈ)۔

-سال 2023ء: 1,037 ٹن (دوسری سب سے بڑی سالانہ سطح)۔

-سال 2024ء: تقریباً 1,045 ٹن، کچھ تخمینوں نے اس اعداد و شمار کو 1,089 ٹن تک بھی ظاہر کیا ہے۔

-سال 2025ء: تقریباً 1,025 ٹن، جس نے اسے لگاتار چوتھا سال بنا دیا جس میں سرکاری خریداری ایک ہزار ٹن سے تجاوز کر گئی ہے۔

-سال 2026ء: پہلی چھ ماہی کے اعداد و شمار نے رجحان کے جاری رہنے کا اشارہ دیا، جس میں پہلی سہ ماہی میں خریداری تقریباً 85 ٹن تک پہنچ گئی۔

سونے کی یہ مانگ صرف سرمایہ کاری کے نقطہ نظر سے نہیں، بلکہ حکمت عملی کی بنیاد پر بھی ہے۔ مغربی مالیاتی پابندیوں، خاص طور پر 2022ء میں روس کے ذخائر کے ایک حصے کو منجمد کرنا، سمیت دیگر پابندیوں نے بہت سے ممالک کو ایسے اثاثوں میں اپنی ہولڈنگز بڑھانے کی ترغیب دی ہے جو کسی ایک ریاست کے کنٹرول کے تحت نہ ہوں، نیز اپنے ذخائر میں مختلف تبدیلیاں لانے اور افراط زر اور جیو پولیٹیکل خطرات سے بچاؤ کی خواہش بھی شامل ہے۔ یوں اس طرح، سونا اثاثہ جات کی قدر کے ایک روایتی ذریعہ اور مالیاتی خود مختاری کی حفاظت کے آلے کے طور پر اپنے روایتی کردار کی طرف لوٹ آیا ہے۔

اسی دوران، برکس (BRICS) گروپ روایتی مالیاتی نظام کے لئے ایک انتہائی اہم چیلنج کے طور پر ابھرا ہے۔ اس کے رکن ممالک نے اپنی باہمی تجارت میں مقامی کرنسیوں کا استعمال بڑھا دیا ہے اور معاملات کی بڑھتی ہوئی تعداد میں ڈالر پر انحصار کم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اگرچہ برکس کی بنیادوں کے بارے میں تحفظات موجود ہیں۔ اس کے باوجود، برکس کے پاس ابھی تک کوئی ایسی متحدہ کرنسی یا مالیاتی نظام موجود نہیں ہے جو عالمی سطح پر امریکی ڈالر کا مقابلہ کر سکے۔

ان تمام پیش رفتوں کے باوجود، امریکی ڈالر کی طاقت صرف امریکی معیشت کے سائز پر مبنی نہیں ہے، بلکہ ایک ایسے مربوط نظام پر قائم ہے جس میں امریکی مالیاتی منڈیوں کی اہمیت، ٹریژری بانڈز کی زبردست بے اعتدالی (لیکویڈیٹی)، قانون کی حکمرانی، مالیاتی اداروں کی خود مختاری، اور ڈالر پر مبنی اثاثوں پر عالمی اعتماد شامل ہے۔ آج کے دن تک، کوئی دوسری کرنسی ایسی نہیں ہے جو ان تمام عناصر کو ایک ساتھ مجتمع کئے ہوئے ہو۔

تاہم، حتمی فیصلہ کن عنصر خود امریکہ کے اندر موجود ہے۔ اگر وفاقی قرض معاشی نمو کی شرح سے زیادہ رفتاری سے بڑھتا رہا، اور اس قرض کے سود کی ادائیگیوں نے وفاقی بجٹ کے ایک بڑے حصے کو نگلنا شروع کر دیا، تو امریکی ڈالر پر عالمی اعتماد کو بڑھتے ہوئے دباؤ کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے—جو کسی برتر حریف کے ابھرنے کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس مالیاتی نظام کے بوسیدہ ہو جانے کی وجہ سے جس مالیاتی نظام پر یہ غالب کرنسی انحصار کرتی ہے۔

*** امریکی ڈالر کا اثر و رسوخ کیوں زوال پذیر ہو سکتا ہے؟ ***

غور کیا جائے تو ان بنیادی عوامل کا ایک ایسا مجموعہ شامل حال ہے جو اس تنزلی کو تیز کر سکتا ہے، جن میں سب سے نمایاں عوامل درج ذیل ہیں:

- عوامی قرضوں میں مسلسل اضافہ، جو 38 کھرب ڈالر سے تجاوز کر چکا ہے، نیز دائمی مالیاتی اور تجارتی خسارے، جو امریکہ کو قرض لینے پر انحصار کرنے میں اضافہ کرتے ہیں۔

* - جیو پولیٹیکل تنازعات میں ڈالر کا بڑھتا ہوا استعمال *، جس نے کچھ ممالک کو ایسے متبادل کی تلاش پر مجبور کیا ہے جو انہیں مالیاتی پابندیوں سے بچا سکیں۔

- سیاسی پولرائزیشن اور قرض کی حد اور عوامی اخراجات کے حوالے سے بار بار ہونے والے مسائل کی وجہ سے امریکی معاشی پالیسیوں کے استحکام پر اعتماد کا گرنا۔

- بین الاقوامی تجارت میں، خاص طور پر ابھرتی ہوئی معیشتوں کے مابین، مقامی کرنسیوں کے استعمال میں اضافہ۔

ڈالر کی بالادستی کیسے کم ہو سکتی ہے؟

اگر یہ رجحانات اسی طرح جاری رہتے ہیں، تو اس بات کا قوی امکان ہے کہ ڈالر کا یہ زوال اچانک ہونے کے بجائے تدریجی ہو گا، اور یہ کئی مراحل سے گزر سکتا ہے:

- عالمی ذخائر اور تجارتی معاملات میں ڈالر کے حصے میں تدریجی کمی۔
- بین الاقوامی تجارت کے معاملات میں سونے اور مقامی کرنسیوں پر بڑھتا ہوا انحصار۔
- بعض ریجنل مارکیٹوں میں یوآن، یورو، اور خود مختار ڈیجیٹل کرنسیوں کے استعمال میں اضافہ۔
- ڈالر پر تقریباً مکمل انحصار کے بجائے، عالمی مالیاتی نظام کا تدریجی طور پر ایک ملٹی کرنسی نظام میں منتقل ہونا۔

جہاں تک ڈالر کے مکمل طور پر بیٹھ جانے یا تباہ ہو جانے کے منظر نامے کا تعلق ہے، تو اس کے لئے ایک وسیع پیمانے پر امریکی معیشت اور اس کے مالیاتی اداروں پر سے اعتماد کے خاتمے کی ضرورت ہو گی، اور بہر حال موجودہ اشارے اس کی طرف نشاندہی نہیں کر رہے، اگرچہ مالیاتی عدم توازن کا برقرار رہنا مختصر اور طویل دونوں مدتوں میں اس اعتماد کے خاتمے کے امکانات کو بڑھا بھی سکتا ہے۔

کیا امریکی ڈالر کا کوئی متبادل موجود ہے؟

ابھی تک، ایسا کوئی ایک متبادل موجود نہیں ہے جو ان تمام خصوصیات کا حامل ہو جو ڈالر کو حاصل ہیں، لیکن عالمی منظر نامہ کئی آپشنز کو سامنے لانے کی کوشش کر رہا ہے، جن میں سب سے نمایاں درج ذیل ہیں:

* -یورو*: جو سب سے ممکنہ ترین حریف ہے، لیکن اسے فی الحال یورپی یونین کے اندر ہی سیاسی اور معاشی چیلنجوں کا سامنا ہے اور یہ ڈالر سے بھی پہلے گر سکتا ہے۔

* - چینی یوآن*: جسے دنیا کی دوسری سب سے بڑی معیشت کی حمایت حاصل ہے، تاہم چینی سرمائے کے مبادلہ پر عائد پابندیاں چینی یوآن کے عالمی پھیلاؤ کو محدود کر رہی ہیں۔

-سینٹرل بینک ڈیجیٹل کرنسیز(CBDCs) ، جو ڈالر کی بالادستی سے ہٹ کر سرحد پار ادائیگیوں کو آسان تو بنا سکتی ہیں، لیکن اگر انہیں ریاستوں کی طرف سے نہ اپنایا جائے تو ان کرنسیوں کا استعمال محفوظ نہیں ہے۔

* -برکس گروپ کے اندر نئے مالیاتی انتظامات*، خواہ قومی کرنسیوں کے استعمال کو بڑھانے کے ذریعے ہوں یا مشترکہ سمجھوتوں کے ذریعے۔

* -سونا*، جس نے بڑھتے ہوئے جیوپولیٹیکل خطرات کے درمیان ایک اسٹریٹیجک اثاثے اور محفوظ پناہ گاہ کے طور پر اپنا مقام دوبارہ حاصل کر لیا ہے۔

ڈالر کی بالادستی کا خاتمہ، اگر ایسا وقوع پذیر ہو گیا، تو یہ کسی ایک ریاست یا اتحاد کے سیاسی فیصلے کا نتیجہ نہیں ہو گا، اور نہ ہی یہ راتوں رات اس کی جگہ لینے والی کسی نئی کرنسی کے اعلان کے ذریعے آئے گا۔ اس کے بجائے، یہ ایک طویل راہ کا اختتام ہو گا جس کے دوران مالیاتی عدم توازن جمع ہوتا جائے گا، ریاستوں اور سرمایہ کاروں کے رسک کے اعشاریہ جات بدل جائیں گے، اور ایک زیادہ کثیر القطبی مالیاتی نظام کے حق میں ڈالر پر انحصار تدریجی طور پر کم ہوتا جائے گا۔

مزید برآں، حقیقی اثاثوں کی طرف واپسی ہی سرمایہ دارانہ نظام کے پیدا کردہ مصائب، تکالیف، تباہی اور مالیاتی بحرانوں سے نجات کا واحد ذریعہ ہے، یعنی فیٹ کرنسیوں (غیر کاغذی / عوامی کرنسیوں) جیسے امریکی ڈالر پر مبنی موجودہ مالیاتی نظام کو بدل کر اور دو دھاتی (سونے اور چاندی کے) معیار کی طرف واپس لوٹ کر، کیونکہ یہ مندرجہ ذیل طریقوں سے ان مسائل کا حل پیش کرتے ہیں:

* مالیاتی افراط زر اور غیر ذمہ دارانہ اخراجات پر قابو پانا*: سونا اور چاندی چھاپے نہیں جاسکتے، جس سے یہ عمل محدود ہو جاتا ہے کہ ریاستیں بنا کسی ضوابط کے پیسہ چھاپتی چلی جائیں، اور اس طرح بے لگام مالیاتی افراط زر اور حد سے زیادہ حکومتی اخراجات کو روکا جاسکتا ہے۔

* طویل مدتی مالیاتی استحکام*: کرنسی کو کسی قیمتی دھات سے منسلک کرنا شدید اتار چڑھاؤ کو روکتا ہے اور مالیاتی نظام کو مزید استحکام مہیا کرتا ہے۔

* عدل اور شفافیت*: کرنسی کا دو دھاتی نظام سیاسی فیصلوں سے پیسے کی آزادی کو یقینی بناتا ہے۔

تاہم، کرنسی کے دو دھاتی نظام کی طرف واپسی کو کوئی بھی نافذ کرنے پر قادر نہیں ہو گا سوائے ایک ایسی مضبوط ریاست کے جو اپنے سیاسی فیصلوں پر خود مختار ہو، اور اس دھاتی نظام کو اس کے اصولوں سے جڑا ہونا چاہیے۔ اسلام کے علاوہ کوئی ایسا نظریہ نہیں ہے جو کرنسی کے دو دھاتی نظام کے استعمال کو لازم قرار دیتا ہو، یا ایک ایسی نمائندہ کرنسی کو جو مکمل طور پر 100٪ سونے، چاندی، یا دونوں سے منسلک ہو۔ لہٰذا، ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی معاشی نظام ان بحرانوں، مسائل، بے ترتیبی اور عدم استحکام سے کوسوں دور ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کے پیدا کردہ ہیں۔

* اے مسلمانو*! اس دنیا کے لئے درست اور بنیادی حل آپ کے عقیدے (اسلام) میں موجود ہیں، لیکن انہیں عملی طور پر کرہ ارض پر نافذ ہونا ہو گا، اور خلافت راشدہ کی ریاست کے علاوہ کوئی بھی انہیں نافذ کرنے کے قابل نہیں ہو گا۔ لہٰذا، ہر اس مسلمان پر فرض ہے جو اپنی امت کی تقدیر سے واقف ہے اور اس بات سے آگاہ ہے جو اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے اس پر فرض کی ہے، کہ وہ اسلامی طرز حیات کو دوبارہ شروع کرنے اور شریعت کے نفاذ کے لئے حزب التحریر کے ساتھ مل کر آگے بڑھے، تاکہ اسلام کا عَلَم (رایہ) بلند ہو، اور ہم تمام انسانیت کے لئے پیدا کی گئی بہترین امت کے طور پر لوٹ آئیں۔ کیونکہ اگر ہم خود اپنے اندر کی حالت کو نہیں بدلیں گے اور عمل نہیں کریں گے، تو اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ بھی ہماری حالت کو نہیں بدلے گا۔

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ فرماتا ہے: **﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾ "بے شک اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے اندر کی حالت کو نہ بدل دیں"[سورۃ الرعد: 13:11]**

فہرست

پاکستان کے حکمران پاکستان کی مسلم فوج کو گلف ممالک کے ساتھ سیکیورٹی معاہدات کے نام پر، مشرقِ وسطیٰ میں امریکی فوجی اڈوں اور تنصیبات کی حفاظت کیلئے تعینات کرنے کی تیاری کر رہے ہیں

ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس

رائٹرز نیوز ایجنسی نے 17 جولائی کو رپورٹ کیا کہ پاکستان اور کویت سعودی عرب-پاکستان طرز کے ایک وسیع دفاعی معاہدے کیلئے مذاکرات کر رہے ہیں۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق پاکستان پہلے ہی سعودی عرب میں ہزاروں فوجی اور جنگی ساز و سامان منتقل کر چکا ہے۔ قطر، بحرین اور دیگر عرب ممالک کے ساتھ بھی اسی نوعیت کے معاہدات کی خبریں میڈیا رپورٹس کی زینت بن رہی ہیں۔ تاہم یہ دفاعی معاہدے مسلم سرزمین کی حفاظت کیلئے نہیں، بلکہ خطے میں موجود امریکی فوجی اڈوں، امریکی فوجی تنصیبات اور کافر صلیبی فوجیوں کی حفاظت کیلئے پاکستان کی جنگی قوت کو استعمال کرنے کے معاہدے ہیں، تاکہ امریکہ کے اس خطے میں ڈولتے ہوئے سیکیورٹی ڈھانچے کی بقا کی ضمانت دی جاسکے۔ یوں پاکستان کی غدار سیاسی اور فوجی قیادت اپنے پیشروں کی مانند، کچھ معاشی مراعات کے عوض، ایک بار پھر خطے میں امریکہ کے اثر ورسوخ کو بچانے کیلئے سرگرم ہو چکی ہے۔

حزب التحریر سوال کرتی ہے کہ کیا پاکستان فوج کی جانب سے گلف ریاستوں کو دی جانے والی سیکوریٹی گارنٹیز کے بعد خطے میں موجود امریکی اڈوں اور جنگی تنصیبات کو ختم کر کے امریکہ کو مشرق وسطیٰ سے بے دخل کیا جائے گا؟ کیا ان معاہدوں میں یہ شامل ہے کہ یہ عرب ممالک امریکہ کو اپنی سرزمین سے ایران پر حملہ کرنے سے روکیں گے؟ کیا ان معاہدوں کا یہ مطلب ہے کہ جب ایران امریکی حملوں کے جواب میں خطے میں امریکی تنصیبات کو نشانہ بنائے گا، تو پاکستان مشترکہ دفاعی معاہدے کے نام پر امریکہ اور یہودی وجود کے اتحادی کی مانند ایران سے جنگ کرے گا؟ آخر کیوں یہ معاہدے امریکہ کی جانب سے ایران کو زیر کرنے میں ناکامی اور امریکی تنصیبات پر ایرانی حملوں کے بعد عمل پذیر ہو رہے ہیں؟ کیا وجہ ہے کہ ان دفاعی معاہدوں کو امریکی سپورٹ حاصل ہے اور ان معاہدوں کے ذریعے مسلم افواج مہیا کرنے والے جنرل عاصم منیر امریکہ کے پسندیدہ فیلڈ مارشل ہیں؟ پس یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ ان معاہدوں کا مقصد "مقدس سرزمین" کا نہیں بلکہ کافر صلیبی امریکی آقا کا تحفظ ہے جس کیلئے ہماری مسلم افواج کو روانہ کیا جا رہا ہے۔

اے افواج پاکستان کے افسران اور اہل قوت! امریکہ مسلسل عرب ممالک میں موجودہ جنگی اڈوں سے ایران پر حملہ آور ہے اور اب تک معصوم بچیوں سمیت ہزاروں مسلمانوں کو قتل کر چکا ہے۔ ان اڈوں میں قطر کا Al Udeid Air Base جو خطے میں امریکی CENTCOM کا ہیڈ کوارٹر ہے، بحرین میں موجود امریکی نیوی کی Fifth Fleet کا ہیڈ کوارٹر، کویت میں موجود Camp Arifjan علی السلام ایئر بیس اور Camp Buehring کے اڈے، متحدہ عرب امارات کا Al Dhafra Air Base جو انٹیلی ،

جنس، نگرانی اور فضائی آپریشنز کا مرکز ہے، جبکہ اردن کا Muwaffaq al Salti Air Base شامل ہیں۔ عراق کا، -Ain al Asad Air Base اور Erbil Air Base اور سعودی عرب کا پرنس سلطان ائیر بیس بھی ایران پر حملوں میں امریکہ کے اہم اڈے ہیں۔ آخر کس بنیاد پر ان شیطانی اڈوں پر ایرانی حملوں کو مسلمان ممالک کی خود مختاری پر حملہ گردانا جاسکتا ہے جبکہ صرف پچھلے چند دنوں میں ان اڈوں پر ایرانی حملوں میں جارح امریکی صلیبی فوجی جہنم واصل ہوئے اور امریکی جنگی اسلحہ تباہ ہوا۔ یقیناً ایران کا امریکی اڈوں پر حملہ مکمل جائز بلکہ شرعاً فرض ہے۔ اے افواج! اس واضح صورتحال میں کیا تم محض تماشا دیکھتے رہو گے، یا ان غاصب حکمرانوں کو ہٹا کر اس خطے سے امریکہ کو باہر نکالنے کے سنہری موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پاسداران انقلاب کے آزاد گروہ کا ساتھ دو گے؟

اے افواج پاکستان کے افسران اور اہل قوت! یہ ایجنٹ مسلم قیادتیں مل کر ہر مسلم مزاحمتی قوت کے خلاف امریکہ کے ساتھ ملی بھگت کرتی ہیں خواہ وہ حماس کا القسام بریگیڈ ہو، افغان طالبان ہوں یا ایران میں موجود پاسداران انقلاب کا آزاد گروہ، جو امریکی اثر سے آزادی کیلئے لڑ رہا ہے، تاکہ یہ ثابت کر سکیں کہ امریکی ورلڈ آرڈر کے سامنے مزاحمت کی کوششیں بے سود ہیں اور ہمیں موجودہ انٹرنیشنل آرڈر میں غلامی پر قناعت کرنی چاہیے۔ یہ قیادتیں ہی اس امت کا اصل ناسور اور کینسر ہیں، وگرنہ کفار کو شکست دینا ہرگز کوئی مشکل کام نہیں۔ گلف ممالک کے ساتھ یہ دفاعی معاہدے بھی ان حکمرانوں کی نئی چال ہے۔ ان امریکی ایجنٹ حکمرانوں کو ہٹانا لازم ہے تاکہ خلافت کے قیام کے ذریعے مڈل ایسٹ کو ایک ریاست تلے ضم کیا جاسکے، جو امریکہ کے نئے مڈل ایسٹ منصوبے کو آبنائے ہرمز میں ڈبو دے گی۔ تو آگے بڑھیں اور اسلام اور مسلمانوں کی کامیابی کیلئے حزب التحریر کو خلافت کے قیام کیلئے نصرہ دیں، اس ایمان کے ساتھ جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ اَنَّ الْكٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ﴾ **"وہ اس لئے کہ ایمان والوں کا مولیٰ خود اللہ تعالیٰ ہے اور کافروں کا مولیٰ کوئی نہیں۔"** (سورۃ محمد، 47:11) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم» "اللہ ہمارا مولیٰ ہے، اور تمہارا (کفار کا) مولیٰ کوئی نہیں۔" (صحیح بخاری)۔**

فہرست

عالمی مالیاتی تباہی کے بنیادی اسباب

الأستاذ نبیل عبد الکریم

عالمی مالیاتی بحران کوئی اچانک رونما ہونے والے واقعات نہیں ہیں جو کسی خلا سے پیدا ہو گئے ہوں، اور نہ ہی یہ محض مارکیٹوں میں ہونے والا عارضی خلل یا اتار چڑھاؤ ہے، بلکہ یہ ان بنیادی عدم توازن کے طویل عرصے تک موجود رہنے کا نتیجہ ہیں جو عالمی مالیاتی اور اقتصادی نظام کی بنیادوں کو کھوکھلا کرتے جا رہے ہیں۔ پس جب دولت کی بنیاد حقیقی پیداوار کے بجائے قرضوں پر رکھی جاتی ہے، اور مارکیٹیں حقیقی سرمایہ کاری کے بجائے سٹہ بازی کے میدانوں میں بدل جائیں، اور سرمایہ پیداواری معیشت سے کٹ جائے، تو پھر معاشی تباہی ایک فطری نتیجہ بن جاتی ہے جس کا وقوع پذیر ہونا صرف وقت کا محتاج ہوتا ہے۔

حالیہ دہائیوں کے دوران دنیا نے مالیاتی بحرانوں کا ایک ایسا سلسلہ دیکھا ہے جس نے عالمی مالیاتی نظام کی کمزوری کو بے نقاب کر دیا ہے، اور یہ ظاہر کر دیا ہے کہ ان بحرانوں کے لئے جو بھی حل اپنائے گئے انہوں نے بگاڑ کی جڑوں کا مداوا ہی نہیں کیا، بلکہ صرف ان بحرانوں کے نتیجے میں ہونے والے دھماکے کو مؤخر کیا اور ان بحرانوں کے دائرے کو وسیع کر دیا۔ پس ہر بحران کا سامنا کریڈٹ میں مزید اضافہ، لیکویڈیٹی میں پھیلاؤ اور مالیاتی آلات پر انحصار کو مزید شدید کر کے کیا گیا، یہاں تک کہ اب خود نظام کی اساس ہی اپنے اندر عدم استحکام کے اسباب سموئے ہوئے ہے۔

اسی لئے، آج دنیا جن بحرانوں کا سامنا کر رہی ہے وہ غیر معمولی واقعات یا وقتی کوتاہیوں کی پیداوار نہیں ہیں، بلکہ یہ ان بنیادی بگاڑ کا نتیجہ ہیں جو دہائیوں سے جمع ہوتے چلے جا رہے ہیں، اور یہاں تک کہ یہ خود مالیاتی نظام کی فطرت کا حصہ بن چکے ہیں۔ یہی وہ بنیادی بگاڑ ہیں جو بحرانوں کو وقفے وقفے سے دہرانے کا سبب بنتے ہیں، چاہے ان کے فوری اسباب یا ان کے وقوع پذیر ہونے کا وقت مختلف ہی کیوں نہ ہو۔

اول: قرضوں میں بے مثال اضافہ

قرضوں میں بے تحاشا اضافہ عالمی معیشت کو درپیش خطرناک ترین چیلنجوں میں سے ایک ہے۔ اب قرضوں کا بوجھ صرف حکومتوں تک ہی محدود نہیں رہا، بلکہ یہ کمپنیوں، افراد اور مالیاتی اداروں تک پھیل چکا ہے، یہاں تک کہ یہ عالمی معیشت پر ایک بڑھتا ہوا

بوجھ بن چکا ہے۔ برسوں تک سود (ربا) کی شرح کا مسلسل کم رہنا اور اس کے ساتھ قرض لینے کے رجحان میں بڑے پیمانے پر اضافے نے قرضوں کے حجم میں ایسی بے مثال سوجن پیدا کر دی ہے جس کے متوازی حقیقی پیداوار یا حقیقی معیشت میں کوئی حقیقی ترقی نہیں ہوئی۔ اور جب قرض کی ادائیگی زیادہ مشکل ہو جاتی ہے، تو ریاستیں پچھلے قرضوں کی ادائیگی کے لئے مزید قرض لینے کا سہارا لیتی ہیں، یوں وہ قرضوں کے ایک ایسے شیطانی چکر میں پھنس جاتی ہیں جس سے بچ نکلنا شدید دشوار ہو جاتا ہے۔

دوئم: کرنسی کے اجراء میں توسیع

سونے کے معیار (گولڈ اسٹینڈرڈ) کو ترک کر دینے کے بعد سے، مرکزی بینک اس قابل ہو گئے ہیں کہ وہ پیداوار یا سونے کے ذخائر سے براہ راست کسی تعلق کے بغیر بڑی مقدار میں کرنسی جاری کر سکیں۔ اس پالیسی کا استعمال 2008ء کے عالمی مالیاتی بحران کے بعد خاصا وسیع ہو گیا، اور پھر کورونا کی وبا کے دوران اس سے بھی بڑے پیمانے پر پھیل گیا، جہاں "quantitative easing" کے نام سے معروف پالیسی کے تحت مارکیٹوں میں کھربوں ڈالر جھونک دیئے گئے۔ اگرچہ ان اقدامات نے مختصر مدت میں تباہی کو ٹالنے میں مدد دی، لیکن ان کی وجہ سے مہنگائی کی شرح میں اضافہ ہوا، مالیاتی غبارے (bubbles) بنے اور کرنسیوں کی قوت خرید کمزور پڑ گئی۔

سوئم: حقیقی معیشت کی قیمت پر مالیاتی معیشت کا پھولنا

عالمی سرمایہ کی نقل و حرکت کا بڑا حصہ اب پیداوری سرمایہ کاری کی طرف جانے کے بجائے مالیاتی منڈیوں کے اندر ہی گردش کر رہا ہے۔ حصص (اسٹاکس)، بانڈز، مستقبل کے کنٹریکٹس اور فنانشل ڈیریویٹیوز میں سٹہ بازی اس قدر پھیل چکی ہے کہ مالیاتی لین دین کی مالیت حقیقی معیشت کی پیدا کردہ اشیاء اور خدمات کی مالیت سے کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ جب سرمایہ حقیقی پیداوار سے الگ ہو جاتا ہے، تو مارکیٹیں شدید اتار چڑھاؤ اور اچانک خسارے و تباہی کا زیادہ شکار ہو جاتی ہیں، کیونکہ قیمتیں اب اثاثوں کی حقیقی قدر کی عکاسی نہیں کرتیں، بلکہ سرمایہ کاروں کی توقعات اور سٹہ بازی کے اثرات کی عکاسی کرتی ہیں۔

چہارم: بینکنگ سسٹم کی کمزوریاں

جدید بینکنگ سسٹم "جزوی ریزرو" (فریکشنل ریزرو) کے اصول پر قائم ہے، جہاں بینک جمع کنندگان کی رقم کا ایک محدود حصہ اپنے پاس رکھتے ہیں جبکہ اس کا بڑا حصہ قرض پر دے دیتے ہیں۔ یہ نظام اس وقت تک معمول کے مطابق کام کرتا رہتا ہے جب تک اعتماد برقرار رہے، لیکن اعتماد کے متزلزل ہوتے ہی یہ نظام انتہائی کمزور ہو جاتا ہے، کیونکہ جب بڑی تعداد میں جمع کنندگان ایک ہی وقت میں اپنی جمع کرائی گئی رقم نکالنے کا رخ کریں تو بعض بینک اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے سے قاصر ہو جاتے ہیں، جیسا کہ حالیہ برسوں کے دوران ایک سے زائد بینکنگ بحرانوں میں مشاہدہ کیا گیا ہے، اور آنے والا وقت تو اس سے بھی برا ہے۔

پنجم: حد سے بڑھی ہوئی گلوبلائزیشن اور معیشتوں کا باہمی ربط

گلوبلائزیشن نے تجارت اور سرمایہ کاری کو وسعت دینے میں تو مدد دی، لیکن اس کے برعکس اس نے معیشتوں کو اس طرح ایک دوسرے سے جوڑ دیا ہے جس کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی، یہاں تک کہ اب کوئی بھی مقامی بحران پوری دنیا میں تیزی سے پھیلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کسی ایک بڑے مالیاتی مرکز میں کوئی اضطراب، یا سپلائی چین میں کوئی خلل، یا کسی جغرافیائی سیاسی تنازع کا بھڑک اٹھنا وغیرہ، ان جیسے عوامل عالمی منڈیوں میں وسیع پیمانے پر بے چینی پیدا کرنے کے لئے کافی ہیں، جیسا کہ کورونا کی وبا، توانائی کے بحران، اور علاقائی جنگوں کے دوران ہوا اور جیسا کہ آج ان اضطرابات کی صورت میں ہو رہا ہے جو مارکیٹوں کو غیر معمولی انداز میں اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہیں۔

ششم: عالمی مالیاتی نظام کی سیاست زدگی

عالمی مالیاتی نظام اب صرف تجارت اور سرمایہ کاری کو منظم کرنے کا ذریعہ نہیں رہا، بلکہ یہ آہستہ آہستہ سیاسی اثر و رسوخ کے آلات میں سے ایک آلے میں تبدیل ہو گیا ہے۔ اقتصادی پابندیوں، اثاثوں کو منجمد کرنے، مالیاتی منتقلی پر پابندیوں اور بعض ممالک کو بین الاقوامی ادائیگی کے نظام کے استعمال سے روکنے کا حربہ استعمال کیا گیا، جس نے ممالک کی بڑھتی ہوئی تعداد کو ایسے متبادل تلاش کرنے پر مجبور کر دیا ہے جو امریکہ کے زیر تسلط مالیاتی نظام پر ان کے انحصار کو کم کر سکیں۔ اس کے نتیجے میں عالمی مالیاتی نظام کی غیر جانبداری پر اعتماد میں کمی آئی ہے، اور ادائیگیوں، تجارت اور کرنسی کے ذخائر کے شعبوں میں متبادل نظام بنانے کی کوششوں میں تیزی آئی ہے۔

ہفتم: حقیقی معیشت اور مالیاتی معیشت کے درمیان بڑھتی ہوئی خلیج

بنیادی بگاڑ کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ عالمی مالیاتی دولت حقیقی پیداوار کی ترقی کے مقابلے میں بہت زیادہ تیزی سے بڑھ گئی ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب بہت سی معیشتیں سست شرح نمو، بے روزگاری میں اضافے اور پیداوری صلاحیت میں کمی کا شکار ہیں، توسیعی مانیٹری پالیسیوں کی وجہ سے مالیاتی اثاثوں کی قیمتوں میں مسلسل اضافہ جاری رہا، جس کے نتیجے میں دولت محدود طبقات کے ہاتھوں میں مرکوز ہو کر رہ گئی اور معاشی و سماجی خلیج وسیع ہو گئی، جس سے نظام کی کمزوری میں اضافہ ہوا اور اس کے جاری رہنے کی صلاحیت کمزور پڑ گئی۔

عالمی مالیاتی نظام کی تباہی کی حتمیت میں اب کوئی شک نہیں ہے، اور ان دنوں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ دنیا ایک ایسے فیصلہ کن مرحلے کے قریب پہنچ رہی ہے جس میں ہر کوئی اس نظام کے ٹوٹنے کی کڑواہٹ چکھ سکتا ہے جو کہ استوار ہی غیر پائیدار بنیادوں پر کیا گیا تھا۔

حقیقی حل ایک ایسے معاشی نظام میں پوشیدہ ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کے پیدا کردہ ان بحرانوں، تباہی، مہنگائی اور کساد بازاری سے دور رہ کر انسانیت کے لئے خوشحالی اور فلاح و بہبود فراہم کرے۔ نیز یہ کہ اسلامی نظام، ایک مکمل مبدأ (آئیڈیالوجی) کی حیثیت سے، انسانیت کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے، کیونکہ اس کے احکامات انسان کے خالق کی طرف سے نازل شدہ ہیں، وہ خالق جسے بخوبی علم ہے کہ انسانیت کے لئے کیا بہتر ہے۔ اور شریعہ کے یہ احکامات دھوکہ دہی، سود (ربا)، اجارہ داری اور معاشی بگاڑ کے تمام دیگر اسباب کا سدباب کرنے کے لئے نازل ہوئے ہیں۔

معاشی بحرانوں کا حقیقی حل صرف اسلام کا نفاذ ہے، اور یہ صرف خلافتِ راشدہ کے قیام سے ہی حاصل ہو سکتا ہے، وہ خلافت جو کہ 1924ء سے عدم موجود ہے۔ اور ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ خلافت کی واپسی جلد از جلد ہو، اور اسلام کا یہ نظام اللہ کی نصرۃ اور اس کے قیام کے لئے کام کرنے والوں کی جدوجہد سے اسی طرح سے مسلمانوں کی زندگیوں میں واپس آئے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ کے دورِ مبارک میں موجود تھا۔

اے مسلمانو! حل تمہارے ہاتھوں میں ہے، پس اسے کتابوں میں ہی بند نہ رکھو بلکہ نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ کو قائم کرکے اس حل کو زندگی کی حقیقت میں منتقل کردو، ان شاء اللہ، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بشارت بھی دی ہے۔ اور ہم دوبارہ ویسے ہی بن جائیں جیسا کہ ہمیں لوگوں کے لئے نکالی گئی بہترین امت بنایا گیا تھا، بے شک اللہ نے مؤمنوں سے نصرۃ کا وعدہ کیا ہے اگر وہ اس کے احکامات پر قائم رہیں اور اس کے رسول ﷺ کی پیروی کریں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلاً إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَاءُوهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا وَكَانَ حَقاً عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ**﴾ **"اور یقیناً ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا تو وہ ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے، پھر ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا جنہوں نے جرم کیا تھا، اور مؤمنوں کی مدد کرنا ہم پر لازم ہے"**[سورۃ الروم؛30:47]

فہرست

سوال کا جواب: عراق اور ایران نواز دھڑوں کا انجام

سوال:

الشرق الاوسط نے 2026/8/4ء کو اپنی ویب سائٹ پر شائع کیا: ("عراقی حکومت خود کو ایک انتہائی حساس صورتحال کے سامنے پاتی ہے، اور وہ واشنگٹن کی جانب سے دھڑوں کو غیر مسلح کرنے کے مطالبات اور عراقی سیاسی، سیکیورٹی اور اقتصادی اداروں کے اندر سرایت کر جانے والے ایرانی اثرورسوخ کے درمیان سیاسی اور سیکیورٹی مفلوج حالت میں جی رہی ہے... اور حشد شعبی کے ادارے نے 2026/7/29ء کو اعلان کیا تھا کہ متعدد عراقی صوبوں میں حشد کے سرکاری ہیڈ کوارٹرز کو نشانہ بنانے والے امریکی اور سعودی لڑاکا طیاروں کے حملوں کے نتیجے میں حشد کے کم از کم 20 اہلکار ہلاک اور 32 دیگر زخمی ہوئے ہیں... الشرق الاوسط، 2026/8/4ء")۔ اور ("امریکہ اور سعودی عرب نے عراق میں ایران کی حمایت یافتہ ملیشیا کے ٹھکانوں پر مشترکہ حملہ کیا ہے... الحرہ، 2026/7/31ء")، اور یہ کارروائی وزیر اعظم علی فالح الزیدی کے امریکہ کے سرکاری دورے سے واپسی کے بعد کی گئی! تو اس وقت ان سب کے پیچھے کیا ہے؟ اور کیا عراق پر امریکہ کی گرفت اس سے بھی زیادہ مضبوط ہو گئی ہے جتنی پہلے تھی؟

جواب:

ان سوالات کے بارے میں تصویر کو واضح کرنے کے لیے ہم مندرجہ ذیل امور کا جائزہ لیتے ہیں:

1- صدام حسین کے عراق پر امریکی قبضے کے ذریعے امریکہ نے عراقی حکومت / بعث پارٹی کی حکومت اور اس کے پشت پناہوں یعنی پورے خطے میں برطانوی اثرورسوخ کو ایک کاری ضرب لگائی تھی، لیکن برطانوی اثرورسوخ سعودی پھیپھڑوں کے ذریعے سانس لیتا رہا۔ سابق سعودی وزیر خارجہ سعود الفیصل نے عراق میں امریکی پالیسی پر کھل کر تنقید کی تھی اور کہا تھا کہ عراق میں جن علاقوں پر امریکہ قبضہ کر رہا ہے، وہ انہیں ایران کے حوالے کر رہا ہے۔ لیکن 2015ء میں برطانیہ کے آلہ کار شاہ عبداللہ کی وفات اور سعودی عرب میں امریکی آلہ کاروں سلمان اور اس کے بیٹے محمد کے برسرِاقتدار آنے سے امریکہ نے خطے میں برطانوی اثرورسوخ کو آخری کاری ضرب لگائی، کیونکہ اب انگریزوں کے لیے صرف خلیج کی چھوٹی ریاستیں اور اردن ہی باقی رہ گئے ہیں، اور یہ سب ایسی چھوٹی ریاستیں ہیں جو امریکی اثرورسوخ کی مخالفت کرنے کی کوئی طاقت یا سکت نہیں رکھتیں، بلکہ وہ خلل ڈالنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتیں! اور اس طرح امریکہ خطے میں اصل اثرورسوخ کا مالک بن گیا۔

2- دہشت گردی کے بہانے اسلام کے خلاف اپنی جنگ میں امریکی پالیسی کا یہ تقاضا تھا کہ اسلامی خطے کو فرقہ وارانہ بنیادوں پر تقسیم کیا جائے، اور اسی پالیسی کے تحت ایران کو دوسرے فرقہ وارانہ مرکز یعنی سعودی عرب کے مدمقابل ایک فرقہ وارانہ مرکز بنا دیا گیا۔ اس

پالیسی کا ایک تقاضا خطے میں ایران کے کردار کو وسعت دینا بھی تھا، جس میں امریکی قبضے کے سائے تلے عراق میں داخل ہونا اور وہاں "اثر ورسوخ" قائم کرنا شامل تھا، اور ساتھ ہی یمن اور لبنان میں فرقہ وارانہ گروہوں کے ذریعے اس کا اثر ورسوخ اور شام وغیرہ تک اس کا فرقہ وارانہ پھیلاؤ بھی شامل تھا، اور امریکہ کو اس ایرانی کردار کی شدید ضرورت رہی۔

3- شام میں ایران سے متعلق امریکی ضرورت کے خاتمے کے ساتھ ہی ایران کا وہ کردار بھی ختم ہو گیا جو امریکی پالیسی نے اس کے لیے طے کیا تھا، اور اب اس سے پیچھے ہٹنے کا مطالبہ کیا جانے لگا۔ چنانچہ ایران نے واقعی شام سے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا اور اپنی افواج فوری طور پر واپس بلا لیں، اور لبنان میں اپنی پارٹی کے رہنماؤں کے قتل کے باوجود اس نے یہودی وجود کے خلاف جنگ میں حصہ نہیں لیا، لیکن اس نے اپنے جوہری پروگرام کے حوالے سے پیچھے ہٹنے سے انکار کر دیا۔ اس طرح 2025ء میں اس کے خلاف یہودی وجود کی جنگ ہوئی، تو اس نے خود کو ندامت سے ہونٹ چباتے پایا کہ وہ اس دن کیوں نہ لڑا جب سفید بیل کھایا گیا تھا (یعنی دشمن کو ابتدا ہی میں نہ روکا گیا تھا)، یعنی 7 اکتوبر 2023ء کے واقعات کے فوری بعد، بلکہ اس نے لبنان میں اپنی پارٹی کے کردار پر ہی اکتفا کیا... چنانچہ وہ جنگ، 2025ء، اور اس کے بعد امریکہ کی قیادت میں ہونے والے دیگر راؤنڈز جس میں اس کا قریبی یہودی وجود بھی ساتھ تھا، خطے میں ایرانی کردار کو ختم کرنے کی پالیسی کی عکاسی کرتے تھے، اور تہران نواز عراقی گروہوں نے اس کے ساتھ مل کر لڑنا شروع کر دیا اور عراق یا خلیج کے بعض ممالک میں امریکی اہداف پر راکٹ اور ڈرون فائر کیے۔ یہاں امریکہ نے ٹرمپ انتظامیہ کی نئی پالیسی کے تحت عراق میں ایرانی کردار کو ختم کرنے پر اصرار کیا تا کہ ایران کا درجہ کم کر کے اسے ایک تابع ریاست بنا دیا جائے اور اگر ممکن ہو تو اس کے علاقائی کردار کو سکیڑ دیا جائے... چنانچہ آج عراق میں سیاسی پیش رفت کا محرک عراق میں ایرانی اثر ورسوخ کو ختم کرنے کی ٹرمپ کی پالیسی ہے۔

4- پس امریکہ جس نے 2003ء میں عراق پر قبضہ کیا تھا اور وہاں کے سیاسی نظام کو فرقہ وارانہ بنیادوں پر استوار کر کے ایران کو اس پر بڑا اثر ورسوخ فراہم کیا تھا، وہ آج اس صورتحال کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ عراقی حکومتوں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ خود کو ایک عرب ریاست کے طور پر دوبارہ ترتیب دیں نہ کہ ایک فرقہ وارانہ ریاست کے طور پر، یعنی ایران سے اپنے تعلقات منقطع کریں اور خلیجی ممالک اور باقی عرب ریاستوں کے ساتھ اپنے تعلقات کو دوبارہ معمول پر لائیں۔ یہ سب عراق میں ایران کے اثر ورسوخ کے خلاف جنگ یا اس کے وجود کے خاتمے کے سلسلے میں ہے، چنانچہ اس نے عراق کو فراہم کی جانے والی ایرانی گیس پر پابندیاں لگانا شروع کر دیں اور بغداد سے مطالبہ کیا کہ وہ اس گیس کے لیے غیر ایرانی متبادل تلاش کرے۔ اور جب عراق کا متبادل ترکمانستان کی گیس بنی جس کا ایران سے گزرنا ضروری تھا تو امریکہ نے اسے مسترد کر دیا، اور عراق کی جانب سے ایران سے بجلی کی درآمد کو بھی مسترد کر دیا: ("امریکہ نے پابندیوں سے حاصل وہ استثنیٰ ختم کر دیا ہے جو عراق کو پڑوسی ملک ایران سے بجلی خریدنے کی اجازت دیتا تھا، اور یہ فیصلہ

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی تہران پر 'شدید ترین دباؤ' ڈالنے کی پالیسی کے تحت کیا گیا ہے۔ الجزیرہ نیٹ، 2025/3/9ء")۔ اور اس سے قبل امریکہ کسی بھی ایسے عراقی ادارے پر پابندیاں عائد کرتا رہا ہے جو ایران کے ساتھ ڈالر میں لین دین کرتا تھا: ("وال اسٹریٹ جرنل نے آج بدھ کو امریکی حکام کے حوالے سے رپورٹ دی ہے کہ امریکہ نے 14 عراقی بینکوں پر ڈالر میں لین دین کرنے پر پابندی لگا دی ہے۔ اخبار کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ امریکی محکمہ خزانہ اور فیڈرل ریزرو بینک آف نیویارک کی جانب سے عائد کردہ یہ پابندی ایران کو امریکی کرنسی کی منتقلی کے خلاف ایک جامع کریک ڈاؤن کا حصہ ہے۔ القدس العربی، 2023/7/19ء")۔

5- اور دوسری طرف، امریکہ عراقی حکومت سے ایران نواز گروہوں پر گھیرا تنگ کرنے اور انہیں حکومت سے دور رکھنے کا مطالبہ کر رہا ہے: ("ذرائع نے انکشاف کیا ہے کہ امریکہ نے سینئر عراقی سیاست دانوں کو دھمکی دی ہے کہ اگر آئندہ عراقی حکومت میں ایران کی حمایت یافتہ مسلح گروہوں کو شامل کیا گیا تو خود عراقی ریاست پر پابندیاں لگائی جا سکتی ہیں، جس میں نیویارک کے فیڈرل ریزرو بینک میں جمع ہونے والے تیل کے محصولات کی صورت میں اس کی سب سے اہم مالیاتی شہ رگ کو نشانہ بنانا بھی شامل ہے۔ رائٹرز سے گفتگو کرنے والے 4 ذرائع کے مطابق، یہ انتباہ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی عراق کے اندر ایران سے وابستہ گروہوں کے اثر و رسوخ کو کم کرنے کی مہم کی اب تک کی سب سے سخت ترین مثالوں میں سے ایک ہے۔ اسکائی نیوز عربیہ، 2026/1/23ء")۔ اور عراقی حکومت کے امریکی ہدایات کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی نشاندہی کرنے والے ایک مؤقف میں، حکومت نے اعلان کیا کہ وہ ایران کے خلاف جاری جنگ میں غیر جانبدار رہے گی، اور اس غیر جانبداری کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایران کے ساتھ کھڑی نہیں ہے، ورنہ امریکی فوج عراقی سرزمین کو ایران پر حملے کرنے اور عراق میں ایران نواز گروہوں پر ضرب لگانے کے لیے استعمال کر رہی ہے، اور ساتھ ہی یہودی وجود کو فوجی اڈے قائم کرنے کی ترغیب دے رہی ہے جس کا انکشاف بعض اخبارات نے کیا ہے: ("عراقی سرزمین پر اسرائیلی اڈے کی موجودگی کے بارے میں گذشتہ رپورٹس کے بعد، 'نیویارک ٹائمز' کی ایک رپورٹ میں انکشاف ہوا ہے کہ اسرائیل نے مغربی عراق کے صحرا میں دوسرا خفیہ فوجی اڈہ قائم کیا ہے۔ ڈوئچے ویلے جرمنی، 2026/5/18ء")۔

6- پھر امریکہ نے اس بات میں کھلم کھلا مداخلت کرنا شروع کر دی کہ حکومت کا سربراہ کون بنے گا۔ باوجود اس کے کہ المالکی امریکہ کا ایک مخلص ایجنٹ تھا اور اس نے قبضے کے دوران سخت امریکی گرفت کے ساتھ عراق پر حکومت کی تھی، لیکن ٹرمپ انتظامیہ نے عراقی وزیر اعظم کے طور پر اس کے دوبارہ انتخاب کی علانیہ مخالفت کی۔ ٹرمپ نے کہا: ("مالکی کے 'سابقہ' دور حکومت میں ملک غربت اور شدید افراتفری کی دلدل میں دھنس گیا۔ اس کی جنونی پالیسیوں اور پاگل پن پر مبنی آئیڈیالوجی کی وجہ سے ایسا دوبارہ نہیں ہونا چاہیے، اگر وہ منتخب ہوا تو امریکہ عراق کو کوئی امداد فراہم نہیں کرے گا۔ اسکائی نیوز عربیہ، 2026/1/29ء")۔ (اور عراقی پارلیمنٹ میں سب سے بڑے سیاسی بلاک نے المالکی کو حکومت کی قیادت سنبھالنے کے لیے نامزد کیا تھا۔ العربیہ، 2026/2/14ء)۔ ٹرمپ کے

اصرار کے سامنے عراقیوں کے ساتھ المالکی کا احتجاج بھی کوئی کام نہ آسکا: ("امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی دھمکیوں کے جواب میں، عراق کے سابق وزیر اعظم نوری المالکی نے بدھ کے روز 'عراق کے اندرونی معاملات میں کھلی امریکی مداخلت' کو مسترد کرتے ہوئے اسے اپنے ملک کی 'خود مختاری کی خلاف ورزی' قرار دیا... اور ٹرمپ کے بیانات کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے، سیکڑوں افراد نے بغداد میں گرین زون کے قریب مظاہرہ کیا جہاں امریکی سفارت خانہ واقع ہے۔ فرانس 24، 2026/1/28ء")۔ اس طرح ٹرمپ کے بیانات نے بغیر کسی شک وشبہ کے یہ حقیقت بے نقاب کر دی کہ امریکہ اپنے ایجنٹ ممالک اور اپنے ایجنٹوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے، اور واقعی المالکی کو خارج کر دیا گیا اور 2026/4/27ء کو ایک ایسی شخصیت کو نامزد کیا گیا جسے امریکہ قبول کرتا تھا، یعنی علی الزیدی۔ یہ واقعہ اس بات کو آشکار کرتا ہے کہ عراق میں ایرانی اثر ورسوخ انتہائی کمزور ہے، بلکہ یہ اثر ورسوخ کے درجے تک بھی نہیں پہنچتا، بلکہ یہ تو عراق میں امریکہ کی طرف سے ایران کو راستہ دینے اور اسے سہولتیں فراہم کرنے کا نتیجہ تھا تاکہ وہ اپنی پالیسیوں پر عمل درآمد کر سکے۔

7- اور جب امریکہ نے اس کردار کو ختم کرنا چاہا، تو اس نے عراقی حکومت سے ان گروہوں کو غیر مسلح کرنے کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے آخری تاریخیں مقرر کرنے کا تقاضا کیا، بالکل اسی طرح جیسے وہ لبنان سے حزبِ ایرانِ لبنان کے خلاف مطالبہ کر رہا ہے۔ چنانچہ واقعی دو عراقی گروہوں نے ہتھیار ڈالنے پر اتفاق کیا: ("...جون کے اوائل میں، عراقی شیعہ رہنما مقتدیٰ الصدر کے وفادار عسکریت پسند 'سرایا السلام' کے جنگجو عراقی حکومت کو اپنے ہتھیار سونپنے کے لیے سامراء شہر میں جمع ہوئے۔ ہتھیار ڈالنے کا یہ عمل 'حشد شعبی' سے اس گروپ کی علیحدگی کی نمائندگی کرتا ہے، جو ایک طاقتور اتحاد ہے جس میں زیادہ تر شیعہ ملیشیائیں شامل ہیں، اور وہ بیک وقت عراقی ریاست کے اندر اور باہر کام کرتا ہے۔ 'سرایا السلام' سے وابستہ ہزاروں جنگجو اس اتحاد سے دستبردار ہونے والے پہلے جنگجو تھے، اور وہ آخری نہیں تھے: ایک اور طاقتور ملیشیا 'عصائب اہل الحق' نے بھی اعلان کیا کہ وہ بھی 'حشد شعبی' سے علیحدگی اختیار کر لے گی... اگرچہ اب بھی ایران کی حمایت یافتہ کئی نمایاں ملیشیائیں عراق اور وسیع تر خطے میں تہران کے مفادات کے تحفظ کے لیے مضبوطی سے ڈٹی ہوئی ہیں۔ لیکن 'حشد شعبی' کی یہ تقسیم ایران کے لیے ایک حقیقی دھچکا ہے۔ انڈیپنڈنٹ عربیہ، 2026/7/12ء")۔ اور حکومت نے ہتھیار سونپنے کی آخری تاریخ مقرر کر دی: ("عراقی وزیر اعظم علی الزیدی نے منگل کے روز کہا کہ ان کا ملک آئندہ ستمبر کے آخر کے بعد کسی بھی فریق کو ریاست کے دائرہ کار سے باہر ہتھیار لے جانے کی اجازت نہیں دے گا۔ الزیدی نے وائٹ ہاؤس میں امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ سے ملاقات کے دوران اس بات پر زور دیا کہ ان کی حکومت کا طریقہ کار ہتھیاروں کو صرف سرکاری اداروں کے ہاتھ میں محدود کرنے پر مبنی ہے۔ اسکائی نیوز عربیہ، 2026/7/14ء")۔ چنانچہ آج عراق میں ہونے والی سیاسی پیش رفت عراق میں ایران کے سابقہ کردار کو ختم کرنے اور وہاں اس کے اثر ورسوخ کو ختم کرنے کی امریکی پالیسی سے جڑی ہوئی ہے۔ اور اس سلسلے میں امریکہ کی کامیابی نہ صرف عراق پر فوجی اور سیاسی دباؤ کی حد تک بلکہ مالیاتی صورتحال میں بھی

بہت بڑی دکھائی دیتی ہے، کیونکہ عراقی تیل کا پیسہ امریکی وزارتِ خزانہ کے ایک اکاؤنٹ میں منتقل کیا جاتا ہے، اس لیے عراق میں برسرِ اقتدار حکومت امریکی وزارتِ خزانہ کی اجازت کے بغیر اپنے ملازمین کو تنخواہیں تک ادا نہیں کر سکتی!

8- اب ایک مسئلہ باقی رہ گیا ہے، اور وہ ہے عراق میں کرپشن اور کرپٹ لوگوں کو بے نقاب کرنے کی مہم۔ یہ مہم عراق میں ایران سے وابستہ افراد کے خلاف ہی شروع کی گئی ہے تاکہ انہیں اس کے ذریعے دھمکایا جاسکے۔ اگرچہ یہ مہم دوسروں تک بھی پہنچی ہے، کیونکہ عراقی نظام جسے امریکہ نے خطے میں جمہوریت کا ماڈل بنانے کے لیے تیار کیا تھا، وہ سر سے پاؤں تک کرپشن میں ڈوبا ہوا ہے، اور یہ ان تمام حکومتوں میں سب سے زیادہ کرپٹ ہے: ("عراقی حکومت نے اپنے تازہ ترین بیانات میں کہا ہے کہ اس نے اب تک مالی اور انتظامی بدعنوانی کے معاملات میں ملوث ہونے کے الزام میں 21 حکام کو گرفتار کیا ہے، جبکہ دیگر مطلوبہ افراد کی ایک تعداد ابھی تک قانون کی نظروں سے اوجھل ہے، ...، اور عراقی وزیرِاعظم علی الزیدی نے کابینہ کے اجلاس کے دوران اس بات پر زور دیا کہ حکومت بدعنوانی کے خاتمے اور عوامی دولت کی واپسی کے لیے پرعزم ہے، ...، ماہرِ اقتصادیات عبدالرحمن المشهدانی نے 'الجزیرہ نیٹ' سے گفتگو کرتے ہوئے عراق میں مالی اور سیاسی بدعنوانی کی اقتصادی لاگت کا تخمینہ ایک ٹریلین ڈالر سے زیادہ لگایا ہے، انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ لوٹی گئی رقم کا ایک بڑا حصہ بیرونی معیشتوں میں ضم ہو چکا ہے۔ الجزیرہ نیٹ، 2026/7/3ء")۔

9- اور اس طرح، عراقی صدر کی جانب سے علی الزیدی کو وزیرِاعظم نامزد کرنے کے بعد، 'الشرق' چینل کے مطابق 2026/5/10ء کو امریکی مطالبات کی فہرست میں عراقی حکومت سے ایرانی اثر و رسوخ کو دور کرنے کے لیے عملی اقدامات کرنا اور مسلح دھڑوں کو غیر مسلح کرنا شامل تھا۔ اور واقعی الزیدی نے امریکی مطالبات پر عمل درآمد شروع کر دیا: ("عراقی وزیرِاعظم علی الزیدی کی جانب سے امریکی ایلچی ٹام براک سے ملاقات کے بعد اور واشنگٹن کے اپنے متوقع دورے سے قبل حساس سیکیورٹی اور اقتصادی اداروں میں بڑے پیمانے پر برطرفیوں اور تبدیلیوں نے یہ بحث چھیڑ دی ہے کہ آیا ان کے 'اقدامات' ریاست کی رٹ بحال کرنے کا ایک قدم ہیں یا ان دباؤ کا جواب ہیں جن کا مقصد ایران کے قریبی دھڑوں کے اثر و رسوخ کو نشانہ بنانا ہے۔ الجزیرہ نیٹ، 2026/6/19ء")۔ اس کے بعد عراق میں سیاسی پیش رفت تیز ہو گئی: ("عراقی دارالحکومت بغداد نے 'گرین زون' میں ایک بے مثال سیکیورٹی آپریشن دیکھا؛ جہاں عراقی ایلیٹ فورسز نے وزیرِاعظم علی الزیدی کے حکم پر بدعنوانی کے الزامات کے تحت 12 موجودہ ارکانِ پارلیمنٹ سمیت 47 حکام کو حراست میں لے لیا۔ اس مہم نے امریکی پابندیوں کا سامنا کرنے والے وزارتِ پیٹرولیم کے انڈر سیکرٹری علی معارج کو بھی ان کے عہدے سے ہٹا دیا۔ بی بی سی، 2026/6/30ء")۔

10- اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عراق میں سیاسی اثر و رسوخ خالصتاً امریکی اثر و رسوخ ہے۔ امریکہ نے "کوآرڈینیشن فریم ورک" کی جانب سے نوری المالکی کی نامزدگی کو مسترد کر دیا تھا، جسے ایران نواز قرار دیا جاتا ہے، اور ان پر علی الزیدی کو نامزد کرنے کے لیے دباؤ

ڈالا، تو "کوآرڈینیشن فریم ورک" نے ایسا ہی کیا۔ پھر امریکہ نے الزیدی کو ان گروہوں کو بے دخل کرنے اور غیر مسلح کرنے کا حکم دیا، حالانکہ ان کے تقرر کو ابھی چند ہی دن گزرے تھے، اور وہ واقعی ایسا کرنے لگے۔ پھر اس کے بعد انہوں نے بدعنوانی کے خلاف مہم شروع کی... چنانچہ بدعنوانی کے خلاف مہم عراق میں ایران نوازوں کے سر پر لٹکتی ہوئی تلوار ہے، خواہ یہ مہم دوسرے حکام تک ہی کیوں نہ پہنچ جائے، کیونکہ عراق میں ایسا کوئی اہلکار ملنا مشکل ہے جو بدعنوانی سے پاک ہو۔ ایسا لگتا ہے جیسے الزیدی حکومت اور اس کے پیچھے امریکہ، مسلح دھڑوں، ایران نواز گروہوں اور حکام کو یہ دھمکی دے رہے ہیں کہ وہ ریاست کے احکامات پر تیزی سے عمل کریں، اور سستی کی صورت میں بدعنوانی کی فائلیں ان کا انتظار کر رہی ہیں، اور یہ بہت بڑی فائلیں ہیں۔ اس تعلق کے بغیر، ایک ایسے سیاسی نظام میں بدعنوانی کے خلاف مہم کو نہیں سمجھا جا سکتا جسے امریکہ نے اپنے تمام ستونوں میں کرپٹ بنیادوں پر کھڑا کیا تھا۔

11- اور جہاں تک بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ عراق امریکہ اور ایران کے اثر و رسوخ کے درمیان توازن قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے، اور وہ اس بات سے استدلال کرتے ہیں کہ علی الزیدی نے 13/7/2026ء کو وائٹ ہاؤس کا دورہ کیا اور امریکی صدر ٹرمپ نے ان کا پرتپاک استقبال کیا، پھر واشنگٹن سے واپسی کے بعد انہوں نے 23/7/2026ء کو تہران کا دورہ کیا، اور یہ بھی کہ: ("ایکسیوس ویب سائٹ کی شائع کردہ ایک رپورٹ کے مطابق، الزیدی نے امریکی دورے کو منسوخ کرنے کی ایرانی کوششوں کے باوجود امریکہ کا اپنا سرکاری دورہ جاری رکھنے پر اصرار کیا، جس کے بعد انہوں نے وائٹ ہاؤس میں امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ سے ملاقات کی۔ رپورٹ میں اشارہ کیا گیا کہ عراقی وزیر اعظم واشنگٹن روانہ ہونے سے چند روز قبل ایرانی سپریم لیڈر علی خامنہ ای کی تعزیتی تقریب (نمازِ جنازہ) میں شریک ہوئے تھے، ایک ایسے منظر نامے میں جو اس توازن کی عکاسی کرتا ہے جسے بغداد تہران اور واشنگٹن دونوں کے ساتھ اپنے تعلقات میں برقرار رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ العربیہ، 16/7/2026ء")، تو یہ توازن حقیقت سے کوسوں دور ہے۔ عراق میں امریکی اثر و رسوخ کی حقیقت پر 2003ء سے امریکی فوجی موجودگی سے بڑھ کر کوئی اور دلیل نہیں، جہاں بہت سے حکام امریکی افواج کے انخلا کی بات کرتے ہیں لیکن بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ موجود ہیں اور عراقی دھڑوں پر بھی ضرب لگانے کی صلاحیت رکھتی ہیں، کیونکہ وہ ایران پر جنگ کے دوران انہیں ہیلی کاپٹروں سے نشانہ بناتی رہی ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہوائی اڈے کتنے قریب ہیں جہاں سے وہ پرواز کرتی ہیں۔ اور اسی طرح امریکہ نے ایران پر اپنے حملوں کو انجام دینے کے لیے عراق میں یہودی وجود کے لیے عارضی فوجی اڈے قائم کرنے کی سہولت فراہم کی، اس کے علاوہ عراقی تیل کی آمدنی دنیا کے مختلف درآمد کنندگان ممالک کی طرف سے امریکی وزارتِ خزانہ کے ایک اکاؤنٹ میں ادا کی جاتی ہے، اس لیے امریکہ عراقی حکومت پر اسی قدر خرچ کرتا ہے جس قدر وہ امریکی پالیسی پر عمل کرتی ہے۔ اور آج اس سے تیزی سے ردعمل دینے، حکومت سے ایرانی اثر و رسوخ کو دور کرنے اور ایران سے تعلقات رکھنے والے حکام کو ہٹانے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے، باوجود اس کے کہ وہ نوری المالکی کی طرح امریکہ کے مخلص ایجنٹ ہیں۔ اور اسی طرح "کوآرڈینیشن فریم ورک" کو، جس پر ایران کی وفاداری کا الزام لگایا جاتا ہے، الزیدی کی نامزدگی پر مجبور کیا گیا، اور پھر چند ہی

دنوں بعد الزیدی کو ان (فریم ورک کے دھڑوں) کے خلاف بغاوت کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اور امریکہ آج الزیدی حکومت سے جس چیز کا تیزی سے مطالبہ کر رہا ہے وہ ان مسلح دھڑوں کو غیر مسلح کرنا ہے جو پاسداران انقلاب سے وابستہ ہیں اور امریکہ کے خلاف کچھ کارروائیاں کرتے ہیں۔ عراقی حکومت نے ان دھڑوں کو اپنے ہتھیار ڈالنے کے لیے 30/9/2026ء کی آخری تاریخ دی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت واشنگٹن سے جاری ہونے والی ہدایات کے مطابق عراقیوں پر ضرب لگانے کے لیے اپنے سیکیورٹی اداروں کا استعمال کرے گی! اور ٹرمپ عراق میں اثر و رسوخ اور لوٹ مار کی بڑی بڑی باتیں کرتا ہے، اور یہ کہ عراقی حکومت اس کی افواج کو اپنے ملک کے اثر و رسوخ کے تحفظ سے بے نیاز کر دیتی ہے، اس نے کہا: ("ٹرمپ نے اوول آفس میں الزیدی کے ساتھ اپنی ملاقات کے دوران ذکر کیا: 'ہم عراق چھوڑ رہے ہیں کیونکہ ہم نہیں سمجھتے کہ اب ہمیں وہاں فوجی موجودگی کی ضرورت ہے'، انہوں نے مزید کہا: 'ہمارے پاس اب یہ ہے کہ تیل کی تمام کمپنیاں اب عراق کا رخ کر رہی ہیں اور اس کے ساتھ شراکت داری کر رہی ہیں'۔ انڈیپنڈنٹ عربیہ، 15/7/2026ء")۔ اس طرح امریکہ اپنے ایجنٹوں کو اپنے مفادات کے حصول کے لیے استعمال کرتا ہے!

12- اور آخر میں، یہ امر انتہائی دردناک ہے کہ عراق جو کبھی خلافت کا مرکز ہوا کرتا تھا، جس کے خلیفہ نے روم کے قیصر کو مخاطب کر کے لکھا تھا: (الجواب ما تراه دون أن تسمعه) (جواب وہ ہے جو تم دیکھو گے نہ کہ وہ جو تم سنو گے)، اور پھر مسلمانوں کی افواج حرکت میں آئیں اور اسے ایسا سبق سکھایا جس نے اسے ہوش میں لا کھڑا کیا... اس ملک کے معاملات کو آج امریکہ چلا رہا ہے، نہ صرف سیاسی طور پر، بلکہ عراق کے پیسے کو امریکہ نے روک رکھا ہے اور عراقی حکومت اپنے ملازمین کو تنخواہیں تک نہیں دے سکتی جب تک کہ امریکہ اپنے پاس روکے ہوئے اس کے پیسوں میں سے کچھ دینے کی اجازت نہ دے دے! یقیناً یہ بہت بڑی رسوائی اور بہت بڑا جرم ہے۔ اور اللہ قوی و عزیز نے ان مجرم حکومتوں کے بارے میں سچ فرمایا ہے: ﴿سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ﴾ "عنقریب ان لوگوں کو جنہوں نے جرم کیا ہے، اللہ کے ہاں ذلت اور سخت عذاب پہنچے گا اس وجہ سے جو وہ مکر کیا کرتے تھے" [سورۃ الأنعام: آیت 124]۔

اور امت اس ذلت سے نجات حاصل نہیں کر سکتی مگر یہ کہ وہ حزب التحریر، وہ قائد جو اپنے لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتا، کو نصرۃ (مدد) دے کر اپنی دوسری خلافتِ راشدہ کو دوبارہ قائم کرے، اور تب ہی اللہ کا وعدہ پورا ہو گا: ﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ "تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ہیں، اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور خلافت (اقتدار) عطا فرمائے گا" [سورۃ النور: آیت 55]۔

اور پھر اس جابرانہ حکومت کے دور کے بعد جس میں ہم جی رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ کی بشارت پوری ہو گی، جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «ثُمَّ تَكُونُ مُلْكاً جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا

شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ سَكَتَ» "پھر ظالمانہ و جابرانہ بادشاہت (حکمرانی) ہو گی، تو وہ رہے گی جب تک اللہ چاہے گا کہ وہ رہے، پھر جب اللہ اسے اٹھانا چاہے گا تو اٹھالے گا، پھر نبوت کے نقشِ قدم پر قائم خلافتِ راشدہ ہو گی، پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے"۔

اور پھر اللہ کی مدد آئے گی اور اس کا نصرت کا وعدہ سچا ہو گا: ﴿وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ * بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ "اور اس دن ایمان والے خوش ہوں گے، اللہ کی مدد سے، وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے، اور وہ نہایت غالب، بہت رحم کرنے والا ہے"[سورۃ الروم: آیت 4-5]۔

22صفر1448ھ

5/8/2026ء

فہرست

امریکہ-ایران کی جنگ سے حاصل ہونے والے چار اہم سبق

محمد سلجوق-ولایہ باکستان

ایران سے بر سرِ پیکار امریکہ اور یہود کی مشترکہ فوجی مہم کی شکست نے دنیا بھر کی افواج کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ یہ ایک ایسا فیصلہ کن موڑ ہے جس نے ملٹری منصوبہ سازوں کو اسبابِ جنگ، جارحیت کے سدِ باب اور اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے مسلمہ اصولوں پر از سرِ نو غور کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ مسلمانوں کی افواج کے فوجی کمانڈروں اور عسکری اداروں کو بھی امریکہ-ایران جنگ کے ایک "غیر متوقع" نتیجے کا سامنا ہے، کیونکہ اس جنگ سے قبل کیے جانے والے تجزیوں اور اندازوں میں ایرانی حکومت کی شکست کو ایک طے شدہ امر کے طور پر پیش کیا جارہا تھا۔ اس کے علاوہ ماضی میں امریکی اور صیہونی اشتعال انگیزیوں کے خلاف ایرانی حکومت کے محض علامتی ردِ عمل نے بھی مسلم افواج کے اندر اس تاثر کو تقویت دے رکھی تھی کہ امریکہ یا یہودی وجود کے ساتھ کسی بھی تصادم میں شکست ہونا ناگزیر ہے۔

اس حقیقت کے باوجود کہ مسلمانوں میں موجودہ دور کے عسکری ماحول کا ایک بڑا حصہ عملیت پسندی اور جنگ و حکمرانی سے متعلق مغربی نظریات کے باعث بدقسمتی سے مسخ ہو چکا ہے، لیکن امریکہ-ایران جنگ کے نتیجے کو مسلم افواج کے اندر سنجیدہ طریقے سے از سرِ نو غور و فکر کا باعث بننا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے موجودہ تصورات اور مروجہ فریم ورک کو مسترد کر کے ان کی جگہ جہاد کی شرعی ذمہ داری اور نظامِ خلافت پر غور کریں، جو اس ذمہ داری کو نافذ کرتا ہے۔ مسلم دنیا اس وقت ایک تاریخی تبدیلی کے موڑ پر کھڑی ہے، کیونکہ امریکہ اور مغرب شدید زوال کا شکار ہیں اور ایک ایسا نظریاتی اور سیاسی خلا موجود ہے جو پُر ہونے کے لئے بالکل تیار ہے۔ اب صرف ایک چیلنج باقی رہ گیا ہے، اور وہ مسلم افواج کے مخلص فوجی کمانڈروں، بالخصوص ان کمانڈروں کا فیصلہ ہے جو طاقت اور صلاحیت رکھتے ہیں، کہ وہ اسلام کی حمایت میں امت کے ساتھ کھڑے ہونے کے لئے اپنی طاقت اور اثر و رسوخ کا استعمال کریں۔

اس آرٹیکل میں امریکہ-ایران جنگ سے حاصل ہونے والے چار اہم اسباق پیش کئے گئے ہیں، جن پر مسلم افواج کو غور کرنا چاہیے۔

پہلا سبق: امریکہ ناقابلِ شکست نہیں ہے:

دہائیوں سے مسلم دنیا کے ایجنٹ حکمرانوں کی جانب سے امریکی فوجی طاقت کو تقریباً ناقابلِ تسخیر بنا کر پیش کیا جاتا رہا ہے۔ البتہ، افغانستان اور عراق کی جنگوں نے پہلے ہی یہ دکھا دیا تھا کہ کسی حریف کی روایتی افواج کو نقصان پہنچا دینا ہی مطلوبہ سیاسی نتائج کا ضامن نہیں بن جاتا۔ ان ممالک پر امریکی قبضے کے بعد سامنے آنے والی مزاحمت، جنگوں کے نتائج کی تشکیل میں سیاسی عزم و ارادے کی اہمیت کو نمایاں کرتی ہے۔ اگرچہ ایران پر کبھی قبضہ تو نہیں ہوا، لیکن حالیہ جنگ نے مزاحمت پر ڈٹے رہنے کے عزم کی قدر کو مزید تقویت دی اور ارادوں کو مزید مضبوط کیا ہے حالانکہ ایران کی اعلیٰ ترین قیادت کا بھی صفایا کر دیا گیا ہے۔

ایران نے تنِ تنہا مشرقِ وسطیٰ میں کئی دہائیوں سے قائم امریکی سکیورٹی کے نظام کو درہم برہم کر کے رکھ دیا ہے۔ یہ ایسی کامیابی ہے جسے خطے کے مسلم فوجی کمانڈر ناقابلِ حصول سمجھتے رہے ہیں۔ ایران نے اس جنگ میں ایسے وقت قدم رکھا جبکہ اس کے پاس کوئی مؤثر فضائیہ بھی موجود نہ تھی۔ اس کے باوجود، اس نے پورے خطے میں قائم امریکہ اور یہودی وجود کے اڈوں کو کامیابی سے نشانہ بنانے کے لئے بیلسٹک میزائلوں، کروز میزائلوں، ڈرونز، مختلف لانچرز اور غیر متوازن جنگی حکمتِ عملی پر انحصار کیا۔ حالانکہ یہ وہ امریکی اڈے تھے جنہیں ایک زمانے میں محفوظ عقبی محاذ تصور کیا جاتا تھا، لیکن اب وہ خود کھلے عام فرنٹ لائن ہدف ثابت ہوئے۔

وال سٹریٹ جرنل، فائنانشل ٹائمز اور نیویارک ٹائمز جیسے جریدوں کی رپورٹس میں امریکی افواج کی میزبانی کرنے والے خلیجی انفراسٹرکچر کی نازک صورتِ حال، نقصان کے تخمینوں، اور اس کی کمزوریوں کے وسیع تر سطح پر از سرِ نو جائزے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس صورتِ حال نے واشنگٹن کو ہنگامی منصوبہ بندی پر مجبور کیا ہے تاکہ فوجی اثاثوں کو مزید پھیلا دیا جائے، اردن اور یہودی وجود جیسے متبادل مراکز پر انحصار بڑھایا جائے، اور خلیج میں فوجی سرگرمیوں کے ارتکاز کو کم کیا جائے۔ چنانچہ ان تنصیبات کی کمزوری نے امریکہ کو اپنی فوجی قوت کو بکھیر دینے، دفاعی تعیناتیوں میں اضافہ کرنے اور فوجی کارروائیوں میں محتاط رویہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔

امریکہ–ایران جنگ سے حاصل ہونے والا بڑا سبق یہ ہے کہ مسلم دنیا میں امریکی عسکری موجودگی صرف ایجنٹ حکمرانوں کی وجہ سے ہی قائم ہے۔ یہ عسکری اڈے اور ان کی میزبانی کرنے والے حکمران ہمارے اپنے آنگن میں سانپ کی مانند ہیں، اور مسلمانوں کی سلامتی کے لئے ان سانپوں کا سر کچلنا نہایت ضروری ہے۔ یہی وہ اڈے ہیں جہاں سے مسلم سرزمینوں پر حملے کیے جاتے ہیں یا ان حملوں کا انتظام کیا جاتا ہے۔ حقیقت میں یہ اڈے نہایت بودے اور کمزور ہیں اور جیسا کہ ایرانی حکمتِ عملی نے ثابت کر دکھایا

ہے، کہ انہیں آسانی سے ختم یا تباہ کیا جاسکتا ہے۔یعنی یہ محض ہماری مسلح افواج کے چند بااختیار اور جری جوانوں کے فیصلے کا مرہونِ منت ہے کہ وہ دشمن کی برتری کے باطل بُت پر یقین کرنے سے انکار کر دیں اور جرأت مندی و دانشمندی سے ان پر کاری ضرب لگائیں۔

دوسرا سبق: امریکی طاقت محض مقامی ایجنٹ حکمرانوں اور فوجی کمانڈروں پر منحصر ہے:

امریکہ مشرقِ وسطیٰ سے ہزاروں کلومیٹر دور رہ کر اپنی فوجی طاقت کی بڑھکیں ظاہر کرتا ہے۔ وہ صرف طیارہ بردار بحری بیڑوں اور طویل فاصلے تک مار کرنے والے بمبار طیاروں کے سہارے اپنی اس فوجی موجودگی کو برقرار نہیں رکھ سکتا۔ اور اس کے لئے امریکہ کو ہوائی اڈوں، بندرگاہوں، انٹیلی جنس مراکز، فضائی حدود سے گزرنے کی اجازت، ایندھن کی فراہمی، مواصلاتی نیٹ ورکس اور سیاسی تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے، جو خطے کی مقامی کٹھ پتلی حکومتیں اسے فراہم کر رہی ہوتی ہیں۔

خطے کی مقامی حکومتوں پر یہ انحصار صرف موجودہ ایران تنازع کے معاملے تک ہی محدود نہیں ہے۔ بلکہ افغانستان میں امریکہ کی جنگی مہم کے معاملے میں پاکستان کی طرف سے لاجسٹک، انٹیلی جنس اور نقل و حمل کے حوالے سے فراہم کیا جانے والا تعاون کلیدی نوعیت کا حامل تھا۔ اسی طرح عراق پر حملہ کرنے اور اس کے بعد عراق پر قبضے کا انحصار بھی بڑی حد تک خلیجی ممالک میں موجود فوجی اڈوں اور خطے کے بنیادی ڈھانچے تک رسائی پر تھا۔ 2003ء میں ترکیہ نے امریکہ کو شمالی سمت سے عراق پر بڑے پیمانے پر حملہ کرنے کے لئے اپنی سرزمین استعمال کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا، اور یوں اس واقعے نے یہ واضح کیا کہ محل وقوع کے اعتبار سے اہم مقام کی حامل کسی ایک ریاست کا فیصلہ بھی امریکی جنگی منصوبہ بندی کو خاصا پیچیدہ بنا سکتا ہے۔ اور پھر عراق پر امریکہ کے حملہ کے بعد اسی خطے کے حکمرانوں، یعنی ایران نے عراق کے اندر اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا تاکہ امریکہ کو ملک کو مستحکم کرنے میں مدد مل سکے۔

امریکہ-ایران جنگ نے ایک بار پھر اس بنیادی حقیقت کو آشکار کر دیا ہے۔ قطر، بحرین، کویت، اردن، سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات میں موجود امریکی فوجی تنصیبات واشنگٹن کو حساس دفاعی صلاحیت فراہم کرتی ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ تنصیبات اپنے میزبان ممالک کو کسی ممکنہ جوابی کارروائی کے خطرے سے بھی دوچار کرتی ہیں۔ لہٰذا خلیجی حکومتوں کو ایک دوہری مشکل کا سامنا ہے: یعنی وہ ایک طرف تو امریکی تحفظ پر انحصار کئے ہوئے ہیں، جبکہ دوسری طرف انہیں یہ خوف بھی لاحق ہے کہ امریکی فوجی

کارروائیاں ان کے علاقوں کو میدانِ جنگ میں تبدیل کر سکتی ہیں۔ صدر ٹرمپ کی جانب سے کشیدگی کو مزید بڑھانے کے معاملے میں بار بار ہچکچاہٹ، جس میں مایوسانہ اپیلوں کے بعد مجوزہ حملوں کو منسوخ کرنا بھی شامل ہے، اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ امریکہ کے آزادانہ اقدام کی صلاحیت اپنے علاقائی ایجنٹوں کے مفادات اور خدشات کے باعث محدود ہو کر رہ گئی ہے۔

سبق بالکل واضح ہے: اس خطے میں امریکی تسلط کا تمام تر انحصار صرف علاقائی حکومتوں کی رضامندی پر ہے۔ ایران، پاکستان اور دیگر علاقائی مسلم ممالک کے مخلص عسکری کمانڈروں کو باہم ہاتھ ملانا چاہیے اور خطے سے امریکی موجودگی کا خاتمہ کرنا چاہیے، جو ایرانی حملوں کے بعد پہلے ہی اپنی کمزور ترین سطح پر آچکی ہے۔ مصنوعی قومی ریاستوں (nation-states) کے بجائے خلافت پر مبنی ایک نئے علاقائی سکیورٹی نظام کی تشکیل کے لئے مسلم افواج کے مابین زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی اور باہمی تعاون کی اشد ضرورت ہے۔ خلیجی ممالک کو پاکستان کے ساتھ کسی دفاعی معاہدے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ انہیں خلافت کی صورت میں ایک اجتماعی سکیورٹی فریم ورک کی ضرورت ہے جو ہماری طاقت کو متحد کرے گی تاکہ یہودی وجود کے خلاف متحرک ہوا جاسکے اور اس ناسور وجود کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کیا جاسکے۔

تیسرا سبق: جغرافیائی محلِ وقوع کا مفاد اور برتری:

ایران کا سب سے بڑا اسٹریٹجک اثاثہ اس کا جغرافیائی محلِ وقوع ہے۔ اور یہی حقیقت وسیع تر مسلم دنیا کے لئے بھی سچ ثابت ہوتی ہے۔ ایران آبنائے ہرمز (Strait of Hormuz) کے کنارے واقع ہے، جہاں سے عموماً روزانہ کی بنیاد پر دنیا بھر میں ہونے والی تیل اور مائع قدرتی گیس (LNG) کی تجارت کا ایک بڑا حصہ گزرتا ہے۔

بحری آمدورفت کو خطرے سے دوچار کر کے اور توانائی کی ترسیل میں خلل پیدا کر کے ایران نے ایک علاقائی عسکری تنازعہ کو عالمی اقتصادی مسئلے میں تبدیل کر دیا ہے۔ آبنائے ہرمز سے گزرنے والی بحری آمدورفت میں فوراً ہی نمایاں کمی واقع ہوئی، بحری جہازوں کو اپنے راستے تبدیل کرنے پڑے، اور کشیدگی میں اضافے یا سفارتی پیش رفت کی خبروں پر تیل کی منڈیوں نے بار بار ردِعمل ظاہر کیا۔ ایران اور عمان کے درمیان ہونے والے حالیہ مذاکرات کا محور بنیادی طور پر بحری آمدورفت کے انتظامات پر ہی رہا، جبکہ صدر ٹرمپ نے ممکنہ مذاکرات کو اس آبی گزرگاہ کے دوبارہ کھولنے سے مشروط کیا ہے۔

چنانچہ ایران نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ایک علاقائی طاقت کس طرح کسی انتہائی اہم بحری گزر گاہ کو استعمال کر کے امریکہ پر ایسے اخراجات اور دباؤ مسلط کر سکتی ہے جو واضح میدانِ جنگ سے کہیں آگے تک اور فوری اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ اہم جغرافیائی محل وقوع کا حامل ہونا ایک ایسی طاقت اور برتری ہے جسے ہمارے دشمنوں کو زیر کرنے اور قابو میں لانے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ وسیع تر مسلم دنیا کے پاس بھی کئی اہم جغرافیائی گزر گاہیں موجود ہیں، جن میں آبنائے ہرمز، باب المندب، نہرِ سویز، آبنائے ترکی اور ایشیا، یورپ اور افریقہ کو ملانے والے اہم زمینی و توانائی کے راستے شامل ہیں۔ یوں ایک مخلص اور باشعور اسلامی قیادت اپنے جغرافیائی محل وقوع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کے حق میں بے شمار سفارتی کامیابیاں حاصل کر سکتی ہے، لیکن موجودہ حکمرانوں میں ایسا کرنے کے لئے نہ تو مطلوبہ عزم ہے اور نہ ہی دور اندیشی۔

چوتھا سبق: اسلامی تاریخ سے حاصل ہونے والے اسباق:

اسلامی تاریخ ایسے ملٹری کمانڈروں کی شاندار مثالوں سے بھری پڑی ہے جنہوں نے ایمان، شجاعت، بھرپور تیاری اور سیاسی مقصد کو ایک ساتھ یکجا کیا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ میدانِ جنگ میں اپنی پیش رفت، مستعدی اور حالات کے مطابق حکمتِ عملی کو ڈھالنے کی صلاحیت کی بنا پر معروف تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ یہ بات اچھی طرح سمجھتے تھے کہ مستحکم اور پائیدار عسکری کامیابی کے لئے امت کی سیاسی وحدت کا ہونا کس قدر ضروری ہے۔ سیف الدین قطزؒ نے عین جالوت کے مقام پر منگولوں کی بظاہر ناقابلِ تسخیر پیش قدمی کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ جبکہ سلطان محمد فاتحؒ نے قسطنطنیہ کی فتح سے قبل اپنے عظیم عزم کو انجینئرنگ، لاجسٹکس، انٹیلی جنس اور باریک بین حد تک بھرپور تیاریوں کے ساتھ ہم آہنگ کیا۔

ان تاریخی کارناموں کو محض افسانوی قصوں اور نعروں تک ہی محدود نہیں کیا جانا چاہیے، جیسا کہ اس وقت مسلم دنیا کی عسکری تعلیم و تربیت کی پالیسیوں میں کیا جا رہا ہے۔ یہ عظیم الشان سالار اس لئے کامیابی سے ہمکنار ہوئے کیونکہ ان کے پختہ ایمان کو تنظیم، صبر، قیادت کی وحدت، دشمن کے احوال سے آگاہی، اور سب سے بڑھ کر اللہ عزوجل کی ذات اور اس کی نصرۃ پر کامل توکل کی حمایت حاصل تھی۔ چنانچہ آج کے مخلص مسلم عسکری کمانڈروں کو بھی چاہیے کہ وہ اسلام کے ان ہیروز کے نقشِ قدم پر چلیں اور اپنے اسلاف کی طرح تاریخ کا دھارا موڑ دیں۔

امریکہ اور اس کا چیلا، یہودی وجود، مل کر بھی ایران کو زیر کرنے میں ناکام رہے ہیں اور بدلے میں انہیں فوجی نقصان اٹھانا پڑا۔ اگر ہمارے دشمن مسلم دنیا کے ایک طاقتور خطے کو قابو میں نہیں رکھ سکتے تو وہ پاکستان، ترکی، خلیجی ریاستوں، مصر اور دیگر مسلمان ممالک کی متحدہ افواج کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟

حاصلِ کلام:

امریکہ - ایران جنگ نے امریکی تسلط کے کھوکھلے پن، اس کی کمزوریوں اور اس کے تکبر کو بے نقاب کر دیا ہے۔ اب عرب و عجم کی سرزمینوں —خواہ وہ مصر، سوڈان، شام، تیونس، ترکی، ایران ہو یا پاکستان— کے فیصلہ سازوں کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ ایک قسم کی غلامی کے بدلے دوسری قسم کی غلامی کو اختیار کریں۔ بلکہ ان کا اصل مقصد یہ ہے کہ خلافت کی صورت میں ایک خود مختار علاقائی نظام قائم کریں اور اس حقیقت کو مد نظر رکھیں کہ ہمارے دشمن اپنی تاریخ کی کمزور ترین سطح پر ہیں۔ مخلص مسلم عسکری کمانڈروں کو چاہیے کہ وہ عالمی طاقتوں کی محدود صلاحیتوں کا ادراک کریں اور مسلمانوں کی حقیقی طاقت اور ان کے بے پناہ وسائل پر یقین رکھیں۔ انہیں قومی ریاست (nation-state) کے اس مہلک نظریے کو مزید اپنائے رکھنے سے انکار کر دینا چاہیے جو مسلم دنیا میں تباہی و بربادی اور تقسیم کے سوا اور کچھ نہیں لایا ہے۔ مسلم عسکری فکر کو چاہیے کہ وہ اسلام اور جہاد کے نظام کو اپنائے اور جنگ و سیاست کے فاسد مغربی نظریات کو مسترد کر دے۔ یہی وہ وقت ہے کہ مغرب زدہ علاقائی سکیورٹی، معاشی اور سیاسی نظام کو حتمی اور فیصلہ کن طور پر الٹا دیا جائے اور خلافت کے سایہ تلے فتوحات کے ایک نئے دور کا آغاز کیا جائے۔

اے مسلم افواج کے افسران! خلافتِ راشدہ کے قیام کے لئے فوری طور پر اپنی نصرة (فوجی مدد) فراہم کرو، جو پوری اسلامی امت، اس کے بے پناہ وسائل اور طاقتور افواج کو ایک واحد خلیفہ کی قیادت تلے ایک مضبوط و طاقتور ریاست کی صورت میں متحد کرے گی۔ وہ خلیفہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا اور کفار کو شکست دے گا۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے: **﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَٰرَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ (10) تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَتُجَٰهِدُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ بِأَمْوَٰلِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾** **"اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت بتلاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے؟(10) تم اللہ اور اس کے**

رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو"[سورۃ الصف:

10-11:61]

فہرست

ترکیہ، پاکستان اور سعودیہ کا اتحاد

احمد الخطوانی

پاکستان، ترکیہ اور سعودی عرب کے درمیان 7 اگست کو شہر مکہ میں سہ فریقی فوجی اتحاد پر دستخط کیے گئے۔ اس معاہدے کی اہم شقوں کے مطابق کسی بھی رکن ملک کے خلاف جارحیت کو پورے اتحاد اور اس میں شامل ہر ایک ملک کے خلاف جارحیت تصور کیا جائے گا۔ مزید بر آں، معاہدے میں اس اتحاد کو ایک دفاعی اتحاد قرار دیا گیا ہے، جس کا مقصد کسی مخصوص ملک کے خلاف کارروائی کرنا نہیں ہے۔

بلاشبہ، یہ اتحاد اس نئی سیکیورٹی اور فوجی حکمتِ عملی کا ثمر ہے جسے ٹرمپ انتظامیہ نے رواں سال کے اوائل میں نہایت سوچ سمجھ کر ترتیب دیا تھا۔ یہ حکمتِ عملی "امریکہ کے اتحادیوں اور شراکت داروں کی ذمہ داریوں میں حصہ داری بڑھانے" کے اصول کے تحت کام کرتی ہے۔ یہ نئی امریکی پالیسی اپنے شراکت داروں اور اتحادی ریاستوں سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنی علاقائی سلامتی کی ذمہ داری خود سنبھالیں۔ یہ امریکی خارجہ پالیسی میں ایک نئے ماڈل کی نمائندگی کرتا ہے، جس میں امریکہ علاقائی طاقتوں کے ایک ایسے نیٹ ورک کی قیادت کرتا ہے جو امریکی نگرانی میں اپنے اپنے علاقوں کی سلامتی کو یقینی بناتا ہے۔ اس طریقہ کار سے امریکہ کو براہِ راست فوجی دستے تعینات کرنے یا مالی وسائل خرچ کرنے کی ضرورت کم ہو جاتی ہے، جبکہ وہ تعاون کرنے والی یا اتحادی ریاستوں کا حقیقی قائد اور نگران برقرار رہتا ہے۔ یہ "ذمہ داریوں میں حصہ داری"(burden sharing) اور strategic deterrence جیسی نئی اصطلاحات اور اصولوں کے تحت انجام دیا جاتا ہے۔

چنانچہ، ایسے اتحاد تشکیل دے کر امریکہ مجموعی حکمتِ عملی اور ٹیکنالوجی و انٹیلی جنس کے معاملات پر کنٹرول برقرار رکھتا ہے، جبکہ علاقائی ریاستیں سکیوریٹی گشت، علاقائی deterrence اور — اگر ضرورت پیش آئے — سرحدی علاقوں اور بحری گزرگاہوں کے تحفظ کے لیے مقامی سطح پر باہمی جنگوں کا بڑا بوجھ اٹھاتی ہیں۔ امریکی نقطۂ نظر سے، اس نوعیت کا اتحاد علاقائی استحکام کو فروغ دیتا ہے، جس سے خطے میں طاقت کا توازن قائم رہتا ہے، اور کشیدہ و غیر مستحکم علاقوں میں تناؤ کم کرنے میں مدد دیتا ہے — یوں کم سے کم لاگت میں امریکی مفادات کا تحفظ ہوتا ہے۔

پاکستان، ترکیہ اور سعودی عرب کا اتحاد مشرقِ وسطیٰ اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں میں امریکہ کی اس نئی خارجہ پالیسی کا ایک اسٹینڈرڈ نمونہ - بلکہ ایک عملی مظہر - ہے۔ پاکستان کی جوہری صلاحیتوں، ترکیہ کی فوجی پیداوار کی استعداد اور سعودی عرب کی تیل سے

حاصل ہونے والی دولت کو یکجا کر کے یہ اتحاد علاقائی سلامتی بر قرار رکھنے، یہودی ریاست جیسے توسیع پسند طاقتوں کا توازن قائم کرنے، اور ایران جیسی ان قوتوں کو باز رکھنے کے لیے تشکیل دیا جارہا ہے جو امریکی دائرۂ اثر سے باہر کام کرتی ہیں۔

مزید بر آں، یہ اتحاد ایک اور اہم فائدہ بھی فراہم کرتا ہے: چین کے خلاف ایک مضبوط دفاعی حصار قائم کرنا، تاکہ اس کی مغرب کی جانب توسیع کو روکا جاسکے، جبکہ پاکستان کو چین کے ساتھ تعلقات سے دور کرتے ہوئے امریکہ پر مکمل انحصار کی طرف لے جایا جاسکے۔

اس نئے اتحاد کو ممکنہ طور پر مستقبل میں بننے والے ایسے دیگر اتحادوں کے ذریعے مقابلہ اور بیلنس کیا جاسکتا ہے، جن پر یہودی ریاست نے پہلے ہی بات چیت شروع کر دی ہے۔ ان میں ایک ممکنہ اتحاد یہودی وجود، بھارت اور متحدہ عرب امارات پر مشتمل ہو سکتا ہے، یا اس وجود کو یونان اور قبرص کے ساتھ متحد کر کے ہو سکتا ہے۔

امریکہ کی اس نئی حکمتِ عملی کے مطابق، ان مخالف علاقائی اتحادوں کا مقصد استحکام پیدا کرنا اور ریاستوں کو ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے سے روکنا ہے، اور اس سے امریکہ یہ صلاحیت بھی بر قرار رکھتا ہے کہ اگر یہ ریاستیں مقررہ پلان سے ہٹیں تو انہیں قابو میں رکھا جاسکے۔ اس نوعیت کے اتحاد مخالف علاقائی طاقتوں کو بڑی جنگیں شروع کرنے سے باز رکھتا ہے، اور انھیں علاقائی نظام میں خلل ڈالنے سے باز رکھتا ہے - خصوصاً اس وقت جب اس نظام کی سرپرستی ایک بالا دست عالمی طاقت کر رہی ہو۔ اس سہ فریقی اتحاد کا نسبتاً آسانی سے قائم ہو جانا اس حقیقت سے منسوب کیا جاتا ہے کہ ترکیہ، پاکستان اور سعودی عرب کی قیادتیں امریکہ کے تابع ہیں؛ چنانچہ امریکی نقطۂ نظر سے یہ زیادہ موزوں سمجھا گیا کہ ایسا اتحاد قائم کیا جائے، بجائے اس کے کہ ان دیگر ریاستوں کو شامل کیا جائے جو زیادہ بڑے عزائم اور بلند تر مقاصد رکھتی ہیں۔

مسلمانوں کو اس اتحاد کو مسترد کرنا چاہیے، کیونکہ یہ امریکہ کی تابعداری کی ایک نئی شکل کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس کے بجائے، انہیں خلافت کے قیام کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے، ایک ایسی ریاست جو مسلمانوں کو ایک ریاست کی واحد قیادت کے تحت متحد کرے اور کسی کے احکامات کی پابند نہ ہو۔ یہ قیادت نظریاتی سیاست کی بنیاد پر تمام مسلم اقوام کی رہنمائی کرے گی، اور ایک عظیم اسلامی ریاست کی سربراہی میں امریکہ اور تمام نو آبادیاتی طاقتوں کو عالمی غلبے کی پوزیشن سے مستقل طور پر ہٹا دے گی۔

فہرست

امریکی سفارت خانے جاسوسی اور اشتعال انگیزی کے مراکز ہیں، اور افغانستان میں امریکی سفارت خانہ دوبارہ کھولنے کا مطالبہ امتِ مُسلمہ کی قربانیوں کے ساتھ خیانت اور شُہدا کے خون کی توہین ہے

ولایہ افغانستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس

کابل میں نیویارک ٹائمز کو دیے گئے ایک حالیہ انٹرویو میں افغان وزیر خارجہ نے امریکہ کو اپنا سفارت خانہ دوبارہ کھولنے اور افغانستان کے بنیادی ڈھانچے اور معدنیات کے شعبوں میں سرمایہ کاری کرنے کی باضابطہ دعوت دیتے ہوئے کہا، "ہم جنگ کے باب کو ختم سمجھتے ہیں، اور اب سے ہم باہمی احترام پر مبنی تعلقات اور مثبت تعامل کا ایک نیا باب چاہتے ہیں۔"

اسلامی اُمت کے خلاف وحشیانہ جنگ چھیڑنے والے ملک کے ساتھ "جنگ کا باب ختم ہونے "کی بات کرنا ایک بلاشبہ حقیقت سے نظریں چرانا اور ایک اسٹریٹجک غلطی ہے۔ امریکہ کُفر کا سرغنہ اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اگرچہ امریکہ اس وقت افغانستان میں براہِ راست فوجی جنگ میں ملوث نہیں ہے، لیکن اُمتِ مُسلمہ کی موجودہ حالت یہ بات واضح طور پر ثابت کرتی ہے کہ اس وقت بھی امریکہ متعدد محاذوں پر مسلمانوں سے نبرد آزما ہے اور ان تنازعات میں پیش پیش ہے۔ امریکہ یمن کی جنگ اور سوڈان کے خونریز بحران میں کردار ادا کر رہا ہے؛ امریکہ فلسطین اور لبنان کے عوام کی نسل کشی کے لیے یہودی وجود کو لامحدود فوجی اور سیاسی مدد فراہم کر رہا ہے، اور اس نے ایران کے خلاف دباؤ اور پابندیوں کی پالیسیوں کو آگے بڑھایا ہے۔ ان تمام پیش رفتوں کے ساتھ ساتھ، امریکہ مسلمانوں کے خلاف ہندوستان کی غاصبانہ اور جابرانہ پالیسیوں کی حمایت کرتا ہے، پاکستان اور افغانستان کے درمیان کشیدگی کو ہوا دیتا ہے، اور افغانستان پر سیاسی، اقتصادی اور سیکیورٹی کا دباؤ ڈالتا ہے۔

اسلام میں الولاء اور ولبراء)وفاداری اور بیزاری (کا معیار استعماری سرحدوں یا قوم پرستانہ نظریات سے طے نہیں ہوتا۔ امریکہ سے دشمنی کی بنیاد کُفر اور اسلام کے درمیان بنیادی تصادم میں پیوست ہے۔ قومی مفادات کے بہانے مسلم ممالک میں اس استعماری طاقت کے جرائم کو نظر انداز کرنا اسلامی عقیدے کے ارکان سے انحراف اور اسلام کے متفقہ سیاسی نقطہ نظر کی نفی ہے۔ مزید برآں، افغانستان کے خلاف امریکہ کی دشمنی کبھی ختم نہیں ہوئی۔ امریکی فوجی موجودگی کا نہ ہونا جنگ کے خاتمے یا امن کے قیام کی علامت نہیں ہے، بلکہ امریکہ نے اپنا طریقہ کار براہِ راست فوجی

جنگ سے بدل کر معاشی، سیاسی اور انٹیلی جنس دباؤ میں منتقل کر دیا ہے۔ مرکزی بینک کے اربوں ڈالر کے زرمبادلہ کے ذخائر کو منجمد اور ضبط کرنا، معاشی پابندیاں عائد کرنا، افغانستان کی فضائی حدود کی خودمختاری کی خلاف ورزی، اور اسلامی اقدار کے خلاف وسیع پیمانے پر پروپیگنڈا مہم مسلسل جاری ہے۔ لہٰذا، شریعتِ اسلامیہ کی رو سے، ایک ایسے دشمن ملک کے ساتھ کسی بھی قسم کے سفارتی، سیاسی یا معاشی تعلقات قائم کرنا باطل اور حرام ہے جس کے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہوں۔

دوسری طرف، امریکہ اور اس کی کمپنیوں کو افغانستان سے معدنیات نکالنے اور اس کے بنیادی ڈھانچے پر کنٹرول حاصل کرنے کی دعوت دینا دوہرا تباہ کن اقدام ہے۔

پہلا یہ کہ مغربی سرمایہ دارانہ ممالک نے ہمیشہ کمزور اقوام کو اپنا شکار سمجھا ہے۔ اس جارحانہ پالیسی کا واضح مظاہرہ یوکرین کے بارے میں حالیہ معاہدوں میں ہوا، جہاں امریکی امداد کو معدنیات، تیل اور گیس کے وسائل کے کنٹرول اور انتظام سے مشروط کیا گیا تھا—جو کہ استعماری طرز پر اثاثوں پر قبضے کی ایک شکل ہے۔

دوسرا یہ کہ مسلم ممالک کے معدنیات اور قدرتی وسائل تمام اُمتِ مُسلمہ کی ملکیت)ملکیتِ عامہ (ہیں، جنہیں مسلمانوں کے فائدے، قوت اور دین کی سربلندی کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے۔ چونکہ حکمتِ عملی کے حامل)اسٹریٹجک (معدنیات میزائل سازی، ریڈار سسٹمز، اور دفاعی و فوجی ٹیکنالوجی میں اہم ترین کردار ادا کرتے ہیں، اس لیے ان اہم وسائل کو سپرد کرنا امریکہ کی استعماری طاقت کی معاونت کے مترادف ہے، جو مسلمانوں کو کمزور کرتا ہے اور ایک ایسے دشمن کی تلوار کو تیز کرتا ہے جو انہی وسائل سے میزائل اور بم بنا کر غزہ، لبنان اور دیگر مظلوم مسلم سرزمینوں کے عوام پر برساتا ہے۔

سابق افغان وزیر خارجہ نے کہا، "مجھے یقین ہے کہ صدر ٹرمپ کی معاہدے کرنے کی صلاحیت، پریگمیٹزم اور فیصلہ کن صلاحیت ان کی انتظامیہ کے ساتھ مثبت تعامل کو آسان بناتی ہے "!امریکی سیاست دانوں بالخصوص ڈونلڈ ٹرمپ کے بارے میں یہ تصور اسلامی نقطہ نظر کے بالکل برعکس ہے۔ ٹرمپ کا نقطہ نظر خالصتاً استعماری اور سامراجی ہے؛ وہ اب بھی بگرام ایئر بیس پر کنٹرول کے خواہش مند ہیں، فلسطین پر مکمل قبضے کی حمایت کرتے ہیں، اور اب بے باکی سے آبنائے ہرمز کو امریکی علاقے کا حصہ قرار دینے کی بات کرتے ہیں۔

کیا آپ ایسے شخص کے ساتھ قریبی تعلقات پر زور دے رہے ہیں جو پوری طاقت سے اسلام کا مقابلہ کرتا ہے بلکہ اس کے خلاف اپنی دشمنی کا برملا اظہار بھی کرتا ہے؟ 20 جنوری 2017 کو اپنی پہلی حلف برداری کی تقریر کے

دوران، ٹرمپ نے واضح طور پر کہا تھا، "ہم پرانے اتحادوں کو مضبوط کریں گے اور نئے اتحاد بنائیں گے، اور مہذب دنیا "کو انتہا پسندانہ اسلامی دہشت گردی کے خلاف متحد کریں گے، جسے ہم زمین کے صفحے سے مکمل طور پر مٹا دیں گے۔

لہٰذا، مغربی استعماری طاقتوں سے امیدیں وابستہ کرنے اور ان کے ساتھ سودے بازی کرنے کے بجائے، مسلمانوں- جو کہ حقیقی سچے دوست ہیں، کی طرف اخوت کا ہاتھ بڑھائیں، جو آپ کو حقیقی عزت کے سرچشمے کی طرف بلا رہے ہیں :یعنی نبوی منہج پر دوسری خلافتِ راشدہ کا قیام۔ یہ سچی دعوت، مغربی بے اصول عمل پسندانہ نقطہ نظر (Pragmatism)کے برعکس، کوئی تجارتی یا معاشی سودا نہیں ہے؛ بلکہ یہ اللہ جَلَّ جَلَالُہُ کے ساتھ ایک عظیم عہد ہے۔ اس دعوت کی نُصرت اور حمایت آپ کو دنیا میں عزت، قوت اور امامت و قیادت کی طرف لے جائے گی، بالکل اسی طرح جیسے اسلام نے بکھرے ہوئے اور ناخواندہ عربوں کو تاریخ کے گمنام گوشوں سے اٹھا کر دنیا کی قیادت اور غلبے کے مقام پر سرفراز کیا تھا۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَتُرِيدُونَ أَن تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَاناً مُّبِيناً﴾

"اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے خلاف اللہ کو صاف حجت (دلیل) دے دو؟"

[سورۃ النساء:144]

فہرست

سوال کا جواب: سہ فریقی اتحاد سعودی، ترکی اور پاکستانی

سوال:

العربیہ نیٹ نے 18/8/2026 کو ٹرمپ کا یہ بیان نقل کیا جس میں انہوں نے ترکی، پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان سہ فریقی معاہدے کا خیر مقدم کیا: (امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے سعودی عرب، ترکی اور پاکستان کے درمیان مکہ مشترکہ دفاعی معاہدے پر دستخط کا خیر مقدم کیا ہے، اور اس اقدام کو بہت بڑا، دلیرانہ اور انتہائی اہم قرار دیا ہے۔ انہوں نے مشرقِ وسطیٰ کے ممالک کے درمیان سیکیورٹی کو آرڈینیشن اور ان کی مشترکہ دفاعی صلاحیتوں کو بڑھانے کی سمت پیش رفت کی تعریف بھی کی...)۔ العربیہ نیٹ نے ہی 17/8/2026 کو یہ خبر بھی شائع کی تھی کہ: (ٹرمپ نے اپنے "ٹروتھ سوشل" اکاؤنٹ پر مزید کہا کہ وہ ان تینوں ممالک کی طرف سے معاہدے پر دستخط کیے جانے پر خوش ہیں، اور ان کا ماننا ہے کہ مکہ مشترکہ دفاعی معاہدہ مشرقِ وسطیٰ کے ممالک کے درمیان بڑھتے ہوئے تقارب کی عکاسی کرتا ہے)۔ اس سے پہلے سعودی پریس ایجنسی "واس" نے جمعہ 7/8/2026 کو اپنی ویب سائٹ پر یہ اعلان کیا تھا کہ: (سعودی ولی عہد محمد بن سلمان، ترک صدر رجب ایردگان اور پاکستان کے وزیر اعظم شہباز شریف نے مکہ مشترکہ دفاعی معاہدے پر دستخط کر دیے ہیں، جو تینوں ممالک کے درمیان مشترکہ سلامتی کو فروغ دینے اور خطے اور دنیا میں سلامتی، امن اور استحکام قائم کرنے کی خواہش کا مظہر ہے، تاکہ ایک محفوظ اور خوشحال مستقبل حاصل کیا جا سکے)۔

اب سوال یہ ہے کہ: ان تینوں ممالک کے اس معاہدے پر دستخط کرنے کے حقیقی ابعاد اور مقاصد کیا ہیں؟ کیا یہ مسلمانوں کے ممالک پر جارحیت کرنے والوں، مثلاً یہودی وجود کے خلاف جنگ کے لیے کوئی اتحاد ہے؟ یا یہ صرف خلیج کی کشیدہ صورتحال کے پیشِ نظر ایران کے سامنے سعودی عرب کی حمایت کے لیے ہے؟ نیز، امریکہ نے اس معاہدے کی حمایت کا اعلان دس دن کی تاخیر سے کیوں کیا، حالانکہ یہ تینوں ممالک امریکہ نواز ہیں اور امریکی مرضی کے بغیر ان کا کوئی معاہدہ خارج از امکان سمجھا جاتا ہے؟ الغرض، اس معاہدے کا اصل مقصد کیا ہے؟ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

جواب:

اس جواب کو واضح کرنے کے لیے ہم درج ذیل امور کا جائزہ لیتے ہیں:

1- سعودی پریس ایجنسی "واس" نے جمعہ 7/8/2026 کو یہ خبر شائع کی: (سعودی ولی عہد محمد بن سلمان، ترک صدر رجب ایردگان اور پاکستان کے وزیر اعظم شہباز شریف نے مکہ مشترکہ دفاعی معاہدے پر دستخط کیے ہیں، جو اپنے مشترکہ تحفظ کو مستحکم کرنے اور خطے اور دنیا میں امن و سلامتی اور استحکام لانے کے لیے تینوں ممالک کی تڑپ کی عکاسی کرتا ہے تاکہ ایک محفوظ اور خوشحال مستقبل کا

حصول ممکن ہو سکے)۔ ایجنسی نے بتایا کہ جمعہ کے روز مکہ میں منعقدہ اجلاس کے بعد جاری ہونے والے مشترکہ اعلامیے میں یہ درج ہے کہ (معاہدے کا مقصد کسی بھی جارحیت کے خلاف مشترکہ دفاع وتحفظ کو مضبوط بنانا ہے، اور یہ کہ تینوں ممالک میں سے کسی ایک پر بھی مسلح حملہ سب پر حملہ تصور کیا جائے گا، اسی طرح یہ معاہدہ ان کے درمیان باہمی دفاعی تعاون کے تمام شعبوں کو فروغ دینے کا احاطہ کرتا ہے)۔ پس یہ معاہدہ واضح طور پر کہتا ہے کہ یہ خطے کی بڑی سمجھی جانے والی علاقائی قوتوں کے درمیان ایک مشترکہ عسکری اتحاد ہے تاکہ ان میں سے کسی پر بھی ہونے والی جارحیت کا سدِباب کیا جا سکے۔ لیکن یہ اپنے اندر یہ بالواسطہ (ضمنی) اعلان بھی رکھتا ہے کہ دوسرے اسلامی ممالک پر ہونے والی کسی بھی جارحیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، لہذا یہ اسے روکنے کے لیے کوئی مداخلت نہیں کرے گا!

2- یہی وجہ ہے کہ یہودی وجود نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ معاہدہ یا یہ اتحاد اس کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے... واضح رہے کہ اگر ان تینوں دستخط کنندہ ممالک میں سے ہر ایک ملک مخلص ہوتا تو وہ بخوبی جانتا کہ وہ اس وجود کو ڈرانے اور اسے صفحہ ہستی سے مٹانے کی پوری طاقت رکھتا ہے، نہ یہ کہ وہ خاموشی سے تماشا دیکھتا رہے جب کہ وہ (یہودی وجود) غزہ کو تباہ وبرباد کر رہا ہے، جس کے لاکھوں باشندوں کو شہید وزخمی کر چکا ہے، ان کے گھربار مسمار کر کے لاکھوں کو بے گھر کر چکا ہے، انتہائی سنگین جرائم کا ارتکاب کر کے وہاں کے لوگوں کو بھوک اور پیاس سے مرنے کے لیے چھوڑ دیا ہے جہاں بیماریاں انہیں دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں اور زخم انہیں چھلنی کر رہے ہیں، اور وہ اب بھی اپنے جرائم کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہے۔ ان ممالک نے ان جرائم کو روکنے کے لیے نہ تو مشترکہ طور پر کوئی حرکت کی اور نہ ہی انفرادی طور پر۔ مزید برآں، مغربی کنارے میں بھی اسی طرح کے جرائم کا اضافہ کیا جا رہا ہے جہاں غاصب آبادکاروں کے غول اپنے فوجیوں کی سرپرستی میں زمین پر فساد برپا کر رہے ہیں، کھیتیوں اور نسلوں کو تباہ کر رہے ہیں، قتل، زخمی اور قید کر رہے ہیں، زمینوں پر زبردستی قبضے کر کے ان کے مالکان کو وہاں سے نکال رہے ہیں اور ان کے گھروں کو منہدم کر رہے ہیں... یہاں تک کہ اس سہ فریقی اتحاد کا متن تو اپنے الفاظ کی رو سے یہودی وجود کے لیے بھی کھلا ہوا ہے! چونکہ ترک صدر ایردگان نے کہا ہے: (یہ معاہدہ کسی بھی ملک کو نشانہ نہیں بناتا، اور یہ ان تمام ممالک کی شرکت کے لیے کھلا ہے جو خطے میں استحکام لانے کا ارادہ رکھتے ہیں)، چنانچہ انہوں نے واضح الفاظ میں یہودی وجود کو مستثنیٰ نہیں کیا، بلکہ بات کو گول مول چھوڑ دیا... اور یہ یہودی وجود کے لیے ایک طرح کا اطمینانِ قلب ہے۔ چونکہ ترکی اس وجود کو تسلیم کرتا ہے اور اس نے غزہ میں وحشیانہ قتلِ عام اور اس کے کچھ حصوں پر مبینہ حفاظتی زونز کے نام پر قبضے کے باوجود اس کے ساتھ اپنے سفارتی اور تجارتی تعلقات منقطع نہیں کیے ہیں!

3- ترک صدر کے اسی بیان کی طرح سعودی وزارتِ خارجہ کے پبلک ڈپلومیسی کے انڈر سیکرٹری رائد قرملي نے بھی 7/8/2026 کو ایکس پر بیان دیا: (یہ معاہدہ خطے کے کسی بھی ملک کی سلامتی کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے اور نہ ہی یہ کنہی دو ممالک کے درمیان کشیدگی کو

بڑھانے کا باعث ہے)۔ اور سعودی عرب تو یہودی وجود کے پہلو بہ پہلو ایک فلسطینی ریاست کے قیام کی دعوت دیتا ہے اور کھلے عام دو ریاستی حل کا اعلان کرتا ہے! یعنی سعودی عہدیدار یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ اتحاد یہودی وجود کے خلاف نہیں بنایا گیا... اسی طرح پاکستان کے وزیرِاعظم شہباز شریف نے بھی 7/8/2026 کو ایکس پر اس معاہدے کو "تاریخی" قرار دیتے ہوئے لکھا کہ... "یہ آنے والی نسلوں کے لیے امن کی ایک ڈھال بنے گا اور تینوں ممالک میں خوشحالی لائے گا"۔ یعنی یہ معاہدہ حملہ آوروں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے نہیں بلکہ محض ایک امن منصوبہ ہے! مزید یہ کہ پاکستانی وزارتِ خارجہ نے تصدیق کی ہے کہ (مکہ معاہدے کا مقصد کسی بھی جارحیت کے خلاف اجتماعی دفاع کو مضبوط بنانا ہے، اور یہ طے کرتا ہے کہ تینوں ممالک میں سے کسی ایک پر مسلح حملہ سب پر حملہ سمجھا جائے گا۔ یورونیوز، 7/8/2026)۔ یعنی سعودی عرب، پاکستان اور ترکی میں امریکی ایجنٹوں اور اس کے پٹھوؤں کی طرف سے اس معاہدے پر دستخط کرنے کا مقصد یہودی وجود کے خلاف لڑائی سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، حالانکہ انہوں نے اس سرزمینِ مبارک پر قبضہ کر رکھا ہے اور قبلہ اول میں پے در پے جرائم کا ارتکاب کر رہے ہیں!

4- سربراہ اجلاس کے اعلامیے میں بتایا گیا ہے کہ (اس معاہدے کا مقصد تینوں ممالک کے درمیان مشترکہ دفاع کو مضبوط بنانا اور دفاعی تعاون کو فروغ دینا ہے جو یہ طے کرتا ہے کہ دستخط کرنے والے ممالک میں سے کسی ایک پر بھی مسلح حملہ سب پر حملہ تصور کیا جائے گا۔ اعلامیے میں مزید کہا گیا کہ یہ معاہدہ تینوں ممالک کے مابین "تاریخی تعلقات" اور مشترکہ تزویراتی مفادات پر مبنی ہے، اور اس کا مقصد خطے اور دنیا میں سلامتی اور استحکام کو فروغ دینا ہے۔ بی بی سی، 7/8/2026)۔ اس وقت ان تینوں ممالک میں سے واحد ملک جس پر حملے ہو رہے ہیں وہ سعودی عرب ہے، اور یہ حملے ایران کی طرف سے ہو رہے ہیں... اور اگر اس بات کو پیشِ نظر رکھا جائے تو ان تینوں ممالک کے بیانات کا مقصد سمجھا جا سکتا ہے! ترک وزیر خارجہ ہاکان فیدان نے اس کے مقصد کی طرف اشارہ کیا ہے: (فیدان نے بتایا کہ "مکہ معاہدے" کے تحت کسی مشترکہ خطرے کا تعین نہیں کیا گیا، جبکہ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ "کوئی بھی ملک جو ہم پر حملہ نہیں کرے گا، وہ ہمارا ہدف نہیں بنے گا"۔ سی این این عربی، 9/8/2026)۔ ان کے اس بیان کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ اگر ایران نے حملہ کیا—اور وہ بالفعل حملے کر بھی رہا ہے—تو وہ ان کے بیان کے مفہوم کے مطابق ہمارا نشانہ بن جائے گا... فیدان نے اپنے ایک اور بیان میں اس معاہدے کے مقاصد کو خوبصورت رنگ دینے کی کوشش کی کہ یہ خطے میں استحکام کو یقینی بنانے کے لیے ہے، لیکن وہ سیدھی راہ سے بھٹک گئے اور کہا: ("سعودی عرب، پاکستان اور ترکی توسیع پسند ممالک نہیں ہیں"، انہوں نے اس معاہدے کو "سب سے اہم قدم قرار دیا جو اس خطے میں مستقل استحکام لائے گا جس کا نام گزشتہ سو سالوں سے، جب سے سلطنتِ عثمانیہ یہاں سے رخصت ہوئی ہے، عدم استحکام سے جڑ چکا ہے"۔ سی این این عربی، 8/8/2026)۔ اس کے باوجود یہ عہدیدار سچ بات کو جوں کا توں بولنے سے ڈرتا ہے؛ اس کا یہ کہنا کہ سلطنتِ عثمانیہ اس خطے سے رخصت ہو گئی تھی، دراصل کفار کے ممالک کو ناراض نہ کرنے کی کوشش ہے تاکہ اس حقیقت پر پردہ پڑا رہے کہ کفر کے ممالک نے عرب اور ترکوں کے اندر موجود اپنے غداروں کے ساتھ مل کر پہلی جنگِ عظیم میں

سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف سازش کی تھی تاکہ خلافت کو گرایا جاسکے... پھر ان ممالک نے اسلامی خطے میں فساد برپا کرنا شروع کیا، اپنے گماشتوں کو ڈھونڈ کر انہیں بادشاہ اور صدر بنا دیا، اور قوم کے معزز و مخلص لوگوں کو شدت پسند اور دہشت گرد قرار دے کر جیلوں میں ڈال دیا، یوں ہر طرف انارکی پھیل گئی اور عدم استحکام کا دور دورہ ہو گیا کیونکہ مسلم امت کفر کے ممالک کے ان اقدامات کو مسترد کرتی ہے اور ان کے خلاف مزاحمت کرتی ہے... چنانچہ فیدان نے یہ کہنے کے بجائے کہ "...جب سے کفر کے ممالک اور عرب و ترک کے غداروں نے خلافتِ عثمانیہ کو گرانے کے لیے سازش کی تھی" یہ کہا کہ "...جب سے سلطنتِ عثمانیہ یہاں سے رخصت ہوئی ہے"۔ انہوں نے صرف ان ممالک کی ناراضگی کے خوف سے یہ بات کہی! اللہ انہیں غارت کرے، یہ کہاں بھٹکے پھرتے ہیں۔

5- لیکن امریکہ نے اس معاہدے پر دس دن تک کسی بھی ردعمل کا اظہار کیوں نہیں کیا؟ اگر یہ معاہدہ امریکہ کے مفاد کے خلاف ہوتا تو وہ فوراً اس کی مخالفت کرتا۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ وہ فوراً تائید کا اعلان کر کے یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ خود اس معاہدے کے پیچھے کھڑا ہے، کیونکہ اس طرح معاہدے کی سیاسی چمک دمک پھیکی پڑ جاتی اور یہ عیاں ہو جاتا کہ یہ معاہدہ امریکی حکم پر ہوا ہے، جس سے اس کے ان تینوں ایجنٹوں کی پوزیشن کمزور پڑ جاتی۔ حالانکہ ان تینوں نے اس معاہدے کے ذریعے یہ دکھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ اپنی خود مختاری کے بارے میں فکرمند ہیں اور وہ آزاد ہیں جو اپنی جارحیت کرنے والوں کے سامنے کھڑے ہو سکتے ہیں، اسی لیے امریکہ نے تھوڑا انتظار کیا... اور پھر ٹرمپ نے اس معاہدے کی حمایت شروع کر دی، اس پر اپنی خوشی کا اظہار کیا اور تینوں ممالک کے سربراہوں کی تعریفیں کیں! اسی وجہ سے انہوں نے اب یہ بیان دیا ہے جیسا کہ العربیہ نیٹ نے 18/8/2026 کو نقل کیا: (امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے سعودی عرب، ترکی اور پاکستان کے درمیان مشترکہ دفاع کے مکہ معاہدے پر دستخط کا خیر مقدم کیا ہے، اور اس قدم کو انتہائی بڑا، جرات مندانہ اور اہم ترین قرار دیا ہے، ساتھ ہی انہوں نے مشرقِ وسطیٰ کے ممالک کے مابین سیکیورٹی کوآرڈینیشن اور ان کی مشترکہ دفاعی صلاحیتوں کو مضبوط بنانے کے رجحان کی تعریف کی ہے...)، اور العربیہ نیٹ نے 17/8/2026 کو یہ بھی شائع کیا تھا کہ: (اور ٹرمپ نے "ٹروتھ سوشل" پلیٹ فارم کے ذریعے مزید کہا کہ وہ تینوں ممالک کے اس معاہدے پر دستخط سے خوش ہیں، اور وہ مکہ مشترکہ دفاعی معاہدے کو مشرقِ وسطیٰ کے ممالک کے مابین بڑھتے ہوئے تقارب کا آئینہ دار سمجھتے ہیں)۔

ٹرمپ کی طرف سے ستائش اور تائید میں تاخیر کی یہی اصل وجہ ہے، ورنہ یہ تینوں ممالک تو امریکہ کے وفادار ہیں؛ چاہے وہ سعودی عرب اور پاکستان جیسے ایجنٹ ممالک ہوں جو نیٹو سے باہر امریکہ کے تزویراتی (اسٹریٹجک) شراکت دار ہیں، یا ترکی جیسا ملک ہو جو امریکہ کے زیرِ اثر ہے اور اس کے ساتھ نیٹو کا رکن بھی ہے۔

6- درحقیقت امریکہ اپنے ان تینوں وفادار ممالک کو خطے میں اور خاص طور پر ایران اور اس خطے کے رہنے والے مسلمانوں کے خلاف ایک خاص کردار دینا چاہتا ہے... امریکی صدر ٹرمپ اور ان کے ایرانی ہم منصب پزشکیان کے مابین 18/6/2026 کو ویڈیو لنک کے

ذریعے مفاہمت کی ایک یادداشت پر دستخط ہونے کے بعد بھی امریکہ اب تک وہ حاصل نہیں کر سکا جو وہ چاہتا تھا، اور مذاکرات تعطل کا شکار ہیں... چنانچہ وہ خطے کے ان بڑے ممالک کو ایران پر دباؤ ڈالنے کے لیے آلہ کار کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہے! تاکہ وہ ایران کو اپنے حلیف ہمسایہ ممالک کے گھیرے میں لے لے، اور اس طرح ٹرمپ کا خیال ہے کہ ایران نرم پڑے گا اور اس کے شرائط کو تسلیم کر لے گا، جس سے ٹرمپ آنے والے مڈ ٹرم (نصف مدتی) انتخابات میں اپنی پارٹی کو ناکامی سے بچا سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ ریپبلکن امریکی نمائندے جو ولسن نے 8/8/2026 کو ایکس پلیٹ فارم پر اپنے صفحے پر اس معاہدے کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے لکھا: (سعودی عرب، ترکی اور پاکستان کے درمیان مشترکہ دفاعی معاہدہ امریکی صدر کا ایک اور کارنامہ ہے جو مشرقِ وسطیٰ میں استحکام، امن اور خوشحالی کے فروغ کی راہ ہموار کرے گا)۔ اسی طرح ریاض میں واشنگٹن کے سابق سفیر مائیکل ریٹنی کا خیال ہے کہ (امریکہ اس معاہدے کو خطے کی سلامتی کو مضبوط بنانے اور اس کے بقول ایران کے مسلسل حملوں سے نمٹنے کے لیے ایک اہم ذریعے کے طور پر دیکھتا ہے، اور اس طرح یہ معاہدہ پورے خطے کے تحفظ میں مددگار ثابت ہو گا، ان کا ماننا ہے کہ امریکی صدر ٹرمپ اس سہ فریقی بلاک کو اپنے لیے مددگار اور استحکام کے فروغ کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔ العربیہ نیٹ، 18/8/2026)۔ یہ سب کچھ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس معاہدے کے پیچھے خود امریکہ کا ہاتھ ہے اور یہ اس کے صدر ٹرمپ کی کامیابی ہے۔ اسی لیے امریکہ نے اپنے وفادار ان تینوں ممالک کو متحرک کیا ہے تاکہ انہیں ایران کے خلاف بالواسطہ دباؤ کے حربے کے طور پر استعمال کر سکے۔

7- چونکہ ترکی نیٹو کا رکن ہے، اس لیے وہ اس کے ارکان کی حفاظت کا پابند ہے جن میں امریکہ بھی شامل ہے، تو کیا وہ اپنے ان وعدوں اور ذمہ داریوں کے خلاف کام کر سکتا ہے؟ بلکہ وہ تو امریکہ کے ساتھ اپنی وفاداری کے دائرے میں ہی کام کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے صدر ایردگان نے خاص طور پر امریکہ اور یورپ کے درمیان اتحاد میں آنے والی دراڑوں کو بھرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور اسے مضبوط کرنے کے لیے کام کیا، چنانچہ انہوں نے 7 اور 8 جولائی 2026 کو انقرہ میں نیٹو کے رہنماؤں اور بالخصوص ٹرمپ کا استقبال کیا۔ انہوں نے ایئرپورٹ پر ٹرمپ کا استقبال کیا اور پھر انقرہ کے صدارتی محل میں ان کی زبردست پذیرائی کی، اور نیٹو سربراہ اجلاس سے پہلے ان کے ساتھ دوطرفہ ملاقات بھی کی، اور اس استقبال کے طور طریقوں سے دونوں کے درمیان گہری دوستی اور محبت کا واضح اظہار ہو رہا تھا۔ اس دورے کے دوران ٹرمپ نے یہ بیان دیا تھا: (سچ کہوں تو، اگر ترکی میں نیٹو کا یہ اجلاس نہ ہو رہا ہوتا اور یہاں میرے دوست ایردگان موجود نہ ہوتا، جو کہ ایک انتہائی مضبوط رہنما اور باوقار شخصیت ہیں، تو شاید میں اس اجلاس میں شرکت نہ کرتا)۔ انہوں نے ایران کے معاملے میں ترکی کے غیر جانبدارانہ رویے کی بھی تعریف کی... پس سعودی عرب اور پاکستان کے ساتھ اتحاد میں ایردگان کی شرکت دراصل امریکہ سے ان کی وفاداری اور شمالی اوقیانوس کے دفاعی معاہدے (نیٹو) کے تئیں ان کی وابستگی کے دائرے میں ہی آتی ہے۔

8- دوسری جانب، تہران سے سامنے آنے والے بیانات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایران یہ سمجھ چکا ہے کہ ترکی، پاکستان اور سعودی عرب کے مابین ہونے والا یہ نیا دفاعی معاہدہ اسی کو نشانہ بنانے کے لیے ہے، چنانچہ اس معاہدے پر پہلے ایرانی ردعمل میں (ایرانی پارلیمنٹ کی قومی سلامتی اور خارجہ پالیسی کمیٹی کے رکن ابراہیم رضائی نے ایکس پر لکھا: "سعودیوں کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ ترکی اور پاکستان کے ساتھ محض ایک 'کاغذی معاہدہ' انہیں سلامتی فراہم نہیں کر سکتا، بالکل اسی طرح جیسے امریکیوں پر دہائیوں پر محیط یکطرفہ انحصار انہیں تحفظ دینے میں ناکام رہا۔" انہوں نے سعودی عرب کو مخاطب کرتے ہوئے مزید کہا: "اپنی پالیسیاں تبدیل کریں تاکہ آپ کو سلامتی کے لیے دوسروں کی منتیں نہ کرنی پڑیں۔" سی این این عربی، 7/8/2026)۔ علاوہ ازیں، ایرانی اخبارات نے بھی، جیسا کہ القدس العربی اخبار نے 9/8/2026 کو نقل کیا ہے، اس معاہدے پر شدید حملے کیے، ایرانی سپریم لیڈر کے دفتر سے وابستہ اخبار "کیہان" کا یہ ماننا ہے کہ اس سہ فریقی معاہدے کا مقصد (یمنی مزاحمت، انصار اللہ، ایران اور مزاحمتی بلاک کا مقابلہ کرنا) ہے، اور اسی طرح پاسداران انقلاب سے قریبی تعلق رکھنے والی نیوز ایجنسی "تسنیم" نے لکھا کہ (سعودی عرب نے جب یہ جان لیا کہ اپنی سلامتی کے لیے امریکہ پر انحصار کرنا بے سود ہے، تو اس نے اپنی حکمتِ عملی تبدیل کرنے کے بجائے مکہ میں ہونے والے اس سہ فریقی معاہدے کے ذریعے ترکی اور پاکستان میں بھاری سرمایہ کاری کر کے "سیکورٹی خریدنے" کی پالیسی کو وسعت دینے کا فیصلہ کیا تاکہ "مزاحمتی محاذ" کے ردعمل کے سامنے خود کو محفوظ رکھ سکے)۔ یہ سب کچھ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ ایران اس معاہدے کے مقاصد کو کس نظر سے دیکھ رہا ہے... یعنی یہ ایک ایسا آلہ کار ہے جسے امریکہ ایران کے خلاف دباؤ بڑھانے کے لیے استعمال کر رہا ہے۔

9- اصل بات تو یہ ہے کہ یہ تینوں ممالک — ترکی، سعودی عرب اور پاکستان — اور باقی تمام اسلامی ممالک در حقیقت ایک ہی ملک اور ایک ہی ریاست ہونی چاہئیں، جو ایک ہی خلیفہ کے زیرِ سایہ ہوں جو ان پر اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق حکومت کرے، نہ کہ یہ الگ الگ آزاد ریاستیں ہوں جو استعماری طاقتوں کے مفادات کے لیے باہمی اتحاد کرتی پھریں اور ان کے بنائے ہوئے عسکری اتحادوں میں شامل ہوں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی واضح اور محکم آیات میں اپنی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا ہے، اور تفرقہ و ملک کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کرنے کو حرام قرار دیا ہے، اور کفار کے ساتھ وفاداری اور ان کے مفاد کے لیے کام کرنے کو قطعی طور پر حرام کیا ہے، اور جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اس کے علاوہ کسی اور قانون کے مطابق حکومت کرنے کو حرام کیا ہے اور اسے کفر، ظلم، فسق یا ان تمام کا مجموعہ قرار دیا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی کتابِ عزیز میں دوسری خلافتِ راشدہ کی واپسی کا وعدہ فرمایا ہے:﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئاً وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ "تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان سے اللہ کا پختہ وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین پر خلافت ضرور عطا فرمائے گا جیسا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کو خلافت عطا فرمائی تھی، اور ان کے لیے ان کے اس دین کو

مضبوطی کے ساتھ قائم کردے گا جسے اس نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے، اور ان کے خوف کی حالت کو امن میں بدل دے گا، وہ میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، اور جو اس کے بعد کفر کرے گا تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں"۔ (سورۃ النور، آیت:55)

اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ان تینوں ممالک اور دیگر تمام مسلم ممالک میں قائم اس جابرانہ دورِ حکومت کے خاتمے اور پھر خلافت کی دوبارہ واپسی کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا ہے:«...ثُمَّ تَكُونُ مُلْكاً جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ. ثُمَّ سَكَتَ» "... پھر جابرانہ بادشاہت کا دور ہو گا، اور وہ رہے گی جب تک اللہ چاہے گا کہ وہ رہے، پھر جب اللہ چاہے گا اسے اٹھالے گا، پھر نبوت کے نقشِ قدم پر قائم خلافتِ راشدہ کا دور آئے گا۔ پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے"۔(رواہ احمد)

پس خلافت اللہ کے اذن سے لوٹ کر آنے والی ہے... لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ طے فرمایا ہے کہ ہمارے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے آسمان سے فرشتے اتر کر ہمارے لیے خلافت قائم نہیں کریں گے، بلکہ ہمیں خود کام کرنا ہو گا، محنت اور تگ ودو کرنی ہو گی، اور جو کام ہم کریں اس میں سچائی اور اخلاص پیدا کرنا ہو گا، تب جا کر ہمیں اللہ کے وعدے اور اس کے رسول ﷺ کی بشارت کے پورا ہونے کا یقین حاصل ہو گا، اور یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ سے بالکل واضح ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کام کیا، ان کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان کی اسی طرح اقتدا کی، اور ہمیں بھی ایسا ہی ہونا چاہیے، تو پھر اللہ کی مدد و نصرت بلاشبہ آجائے گی، اسی کے حکم سے:﴿وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ * بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾"اور اس دن ایمان والے خوش ہوں گے * اللہ کی مدد سے، وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ نہایت غالب اور بہت رحم کرنے والا ہے"۔ (سورۃ الروم، آیات:4-5)

5 ربیع الاول 1448 ہجری

18/8/2026 عیسوی

فہرست

امتِ مسلمہ کے خلاف جنگ میں لڑکھڑاتے ہوئے امریکہ کو ہمارے حکمران بیساکھیاں کیوں فراہم کر رہے ہیں؟!

مرکزی میڈیا آفس، حزب التحریر

پ امریکہ پابندیوں، اقتصادی محاصرے اور فوجی بازدارندگی کے طریقوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ایران کے مسلمانوں کی گردنوں پر شکنجہ کس رہا ہے۔ 20 اگست 2026ء کو امریکی محکمۂ خارجہ کے ترجمان تھامس "ٹامی" پگوٹ نے ایک پریس بیان جاری کرتے ہوئے کہا: "دہائیوں سے ایرانی حکومت پورے مشرقِ وسطیٰ میں دہشت گردی پھیلانے کے لیے حزب اللہ کو استعمال کرتی رہی ہے۔ آج امریکی محکمۂ خزانہ ایران کی اسلامی انقلابی گارڈ کور کی قدس فورس (IRGC-QF) کی حمایت میں اس کی کارروائیوں کے باعث حزب اللہ کو دہشت گرد تنظیم قرار دیے جانے کی تجدید کر رہا ہے۔"

حسبِ معمول، مسلمانوں کے حکمران ہی مسلمانوں پر امریکی حملوں میں امریکہ کا ساتھ دے رہے ہیں۔ 7 اگست کو پاکستان، ترکی اور سعودی عرب کے حکمرانوں نے "مکہ مشترکہ دفاعی معاہدے" پر دستخط کیے۔ ٹرمپ نے کہا کہ وہ اس معاہدے پر بہت خوش ہیں۔ یہ معاہدہ ایران کے خلاف پاکستان کی جوہری صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی راہ ہموار کرتا ہے۔

15 اگست کو امریکی سینٹرل کمانڈ (CENTCOM) کے کمانڈر نے مشرقِ وسطیٰ کا دس روزہ دورہ مکمل کیا، جس کا مقصد بحرین، عراق، اردن، سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات کی افواج کو ہدایات دینا تھا۔ 18 اگست کو جدہ میں شاہ سلمان بن عبدالعزیز آل سعود کی صدارت میں منعقدہ اجلاس کے دوران "کثیر ملکی بحری دفاعی اتحاد" کو فعال کیا گیا۔ یہ مسلمانوں کی بحری افواج پر مشتمل ایک ایسا اتحاد ہے جس کا مقصد یمن میں ایران کو اس کے تابع گروہوں سے الگ کرنا ہے۔

مزید یہ کہ، عراقی حکمران انسدادِ بدعنوانی کی مہم کو استعمال کرتے ہوئے ایران کو عراق میں اپنے پراکسیوں سے جدا کر رہے ہیں، جب کہ لبنانی حکمران ایران کو لبنان میں اس کی "حزب" سے الگ کرنے کے درپے ہیں۔ اب یہ محض وقت کی بات ہے کہ امریکہ ایران کے خلاف مسلمانوں کی افواج کو متحرک کر دے۔ ساتھ ہی وہ اپنے ٹیکٹکل اور سٹریٹیجک، دونوں طرح کے جوہری ہتھیاروں کی تعیناتی کے حوالے سے عالمی رائے عامہ کے ردِّ عمل کو بھی جانچ رہا ہے۔

جو چیز دل کو رنجیدہ کرتی اور پھر اللہ جَلَّ جَلَالُہُ کی خاطر غضب ناک کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے یہ خائن حکمران نہ ہوتے تو امریکہ کبھی بھی کسی مسلم ریاست کو نقصان پہنچانے کے قابل نہ ہوتا؛ چہ جائیکہ وہ ایک کے بعد دوسری مسلم ریاست کو نشانہ بناتا رہے اور باقی ریاستیں اپنی باری کا انتظار کرتی رہیں۔

انڈونیشیا سے مراکش تک مسلم ریاستوں اور امریکہ کے درمیان سمندر حائل ہیں۔ کسی بھی مسلم ریاست پر حملہ کرنے کے لیے امریکی جنگی جہاز طویل اور انتہائی غیر محفوظ سمندری مواصلاتی راستوں (SLOCs) پر انحصار کرتے ہیں۔ اسی طرح، اس کے فوجی اڈے،

جن میں اس کا اگلا مورچہ، یہودی وجود (اسرائیل)، بھی شامل ہے، مسلمانوں کی سرزمینوں میں قائم ہیں اور پانی، خوراک، لباس، پناہ، سلامتی اور اسلحے کی فراہمی کے لیے مکمل طور پر بے نقاب زمینی مواصلاتی راستوں (GLOCs) پر منحصر ہیں۔

مزید بر آں، امریکہ اپنی طاقت کے عروج پر نہیں بلکہ زوال کے ایک نمایاں دور سے گزر رہا ہے۔ وہ صرف لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھ رہا ہے اور مسلمانوں میں موجود اپنے ایجنٹوں اور پیروکاروں کی فراہم کردہ سہاروں پر انحصار کر رہا ہے۔ امریکہ کا معاشی زوال اس کے آسمان سے باتیں کرتے قرضوں کے بحران سے ظاہر ہے، جہاں سرمایہ دارانہ بینک اور کارپوریشنیں سود (ربا) سے اپنے پیٹ بھرنے کے لیے عام امریکی شہری کا خون چوس رہی ہیں۔ اس کا فوجی زوال اس بات سے عیاں ہے کہ وہ ایران کی اسلامی انقلابی گارڈ کور کے اس دھڑے پر اپنی مرضی مسلط نہیں کر سکا جس نے امریکہ کی اطاعت سے انکار کیا۔ مزید بر آں، اس کے بزدل فوجی دستے ایران کے خلاف جنگ میں فتح حاصل کرنے کے لیے زمینی کارروائی شروع کرنے سے بھی قاصر رہے ہیں۔

اس کا سیاسی زوال اس کی "ڈیپ اسٹیٹ" میں پڑنے والی گہری دراڑوں سے واضح ہے، جہاں ڈیموکریٹس اور ریپبلکن ایک دوسرے کی آنکھیں نوچنے میں مصروف ہیں اور اس کے عالمی اتحادی بھی اس کے تکبر اور انہیں تنہا چھوڑ دینے کی پالیسی پر غم و غصے سے تلملا رہے ہیں۔

اے امتِ اسلام اور اس کی افواج! دل کو جس غم نے گھیر رکھا ہے، وہ یہ ہے کہ کاش ہماری افواج کے مخلص افسران اس موقع سے فائدہ اٹھاتے، بیمار امریکہ کے سہاروں کا تختہ الٹ دیتے اور تمام مسلم ریاستوں کو ایک واحد خلافتِ راشدہ کے تحت متحد کر دیتے۔ ایسی صورت میں امریکہ اپنے اڈوں پر حملوں اور مسلمانوں کے سمندروں میں اپنے جنگی جہازوں کے غرق کیے جانے کے بعد اس خطے سے فرار ہونے پر مجبور ہو چکا ہوتا۔

اگر صرف ایران کی اسلامی انقلابی گارڈ کور کا مزاحمتی دھڑا حزب التحریر کی پکار پر لبیک کہتا اور خلافت کے قیام کے لیے نصرۃ (عسکری مدد) فراہم کرتا، تو ایران مسلم ریاستوں کو متحد کرنے کا ایک مضبوط مرکز بن سکتا تھا۔ تاہم، بعید نہیں کہ خلافت کی عدم موجودگی میں امریکہ، اسلامی امت کی طاقت کو خود امت کے خلاف استعمال کرتے ہوئے، بالآخر ایران کو جلد یا بدیر امریکہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ جب تک خلافت اس کے ظلم کا راستہ نہیں روکتی، امریکہ مسلمانوں کے حکمرانوں کی مدد سے ایران سے آگے بڑھ کر تمام مسلم ریاستوں پر حملے جاری رکھے گا۔

لٰہذا مسلمانوں کی طاقتور ترین افواج، یعنی پاکستان، حجاز، ترکی اور مصر کی افواج کے مخلص افسران کو چاہیے کہ وہ فوراً حرکت میں آئیں، خائن حکمرانوں کو ہٹا دیں اور خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے حزب التحریر کو نصرت دیں جو کفار کے ساتھ اتحاد ختم کرے گی اور مسلمانوں کے تمام ممالک کو متحد کرے گی۔ پس مسلمانوں کی کون سی فوج دین کی تمکین (سربلندی اور اقتدار) کے لیے سب سے پہلے نصرۃ (عسکری مدد) پیش کرنے کا شرف حاصل کرے گی؟

فہرست

نُصرة

نصرۃ وہ حکمِ شرعی ہے کہ جس پر آج سیاسی طور پر امت مسلمہ کے مستقبل کا دارومدار ہے کیونکہ نصرۃ کے ذریعے ہی اُس ریاستِ خلافت کا قیام عمل میں آئے گا جو ان غداریوں اور خیانتوں کے طویل سلسلے کا خاتمہ کرے گی جس کا امت کو سامنا ہے، جو اللہ کے نازل کردہ تمام تر احکامات کے ذریعے حکمرانی کا آغاز کرے گی، پوری امت مسلمہ کو ایک ریاست کے سائے تلے وحدت بخشے گی اور دعوت و جہاد کے ذریعے اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک لے جائے گی۔

نصرۃ کی دلیل ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ملتی ہے کہ جب مکہ کا معاشرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جامد ہو گیا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ آپ مختلف قبائل پر اپنے آپ کو پیش کر کے اِن کی حمایت و نصرت طلب کریں۔

پس آپ ﷺ نے ابو طالب کی وفات کے بعد مختلف عرب قبائل کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ مدینہ کے اوس و خزرج قبائل کے سرداروں نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نصرۃ دی اور اس نصرت کے نتیجے میں ہی بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اور یوں وہ رہتی دنیا تک انصار کے لقب سے پہچانے گئے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کی افواج میں موجود مخلص افسران اپنے انصاری بھائیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلافت کی دعوت کے علمبرداروں کو نصرۃ فراہم کریں، اس کفریہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو اکھاڑ پھینکیں اور ایک خلیفۂ راشد کو قرآن و سنت کے نفاذ پر بیعت دیں اور رسول اللہ ﷺ کی اس بشارت کے پورا کریں کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: **«ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ»** ”پھر ظالمانہ حکمرانی کا دور ہو گا اور اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہیں گے۔ پھر اللہ اس کو ختم فرما دیں گے جب وہ چاہیں گے۔ اس کے بعد نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم ہو گی“ (مسند امام احمد)۔